

# جملہ حقوق محفوظ

Mujizat-e-Qurani

Written by : By Harun Yahya

|                     |             |
|---------------------|-------------|
| مجازات قرآنی        | نام کتاب    |
| ہارون یحییٰ         | مصنف        |
| فروری ۲۰۰۶ء         | اشاعت چہارم |
| ساجد ظہن فضلی       | پیشکش       |
| ایک ہزار            | تعداد       |
| فضلی سترہ پبلیکیشنز | ناشر        |
| جے ایف انٹر پرائز   | طابع        |
| فضلی بک سپر مارکیٹ  | تقسیم کار   |

## رابطے کے لئے

507/3، میپل روڈ، اردو بازار، کراچی

2212991 - 2629724

2633887

E-mail : sajidfazlee@hotmail.com

Web : www.fazleebooks.com



**پبلشر نوٹ:** آیات قرآنی کا اردو ترجمہ "فتح الحمید" مولانا فتح محمد چاندھری، مظلوم و معطل مسلمانوں کی توجہ اور توجہ کیلئے لکھا گیا ہے۔  
مجازات قرآنی کو اردو کے قالب میں آجائے ہوئے بعض مواقع پر ممکن ہے کہ اپنی کم علمی اور زبان کی محدودیت کی بنا پر ترجمہ کی اصل روکار میں تک لہجہ پڑا کے ہوں۔ اس حوالے سے ہم معذرت خواہ ہیں۔  
(اسیدتہ کتاب بحیثیت قاری ہماری رہنمائی کریں گے۔)

بے شک یہ خداوند عالم کا اتارا ہوا کلام ہے۔

(سورۃ الشعراء: ۱۹۳)

# مُعْجَزَاتِ قرآنی

مصنف

ہارون یحییٰ

اردو ترجمہ

شیر محمد

فضلی سنز پبلی کیشنز

## فہرست

|    |   |
|----|---|
| 9  | <b>پہلا حصہ</b> قرآن کے سائنسی عجوبے (تعارف)                    |
| 11 | کائنات کا وجود میں آنا  |
| 13 | کائنات کا پھیلاؤ  |
| 15 | آسمانوں اور زمین کا پھوٹنا                                      |
| 17 | ستاروں اور سیاروں کے مدار                                       |
| 20 | زمین کی گولائی  |
| 21 | حفاظتی چھت  |
| 26 | پلٹنے والا آسمان  |
| 28 | قضا کی جہیں   |
| 31 | پہاڑوں کے کام   |
| 34 | پہاڑوں کی حرکات   |
| 36 | لوہے میں معجزہ  |
| 37 | تخلیق میں جڑوں کا کردار   |
| 38 | اضافیت زمان   |
| 40 | بارش میں تناسب  |
| 42 | بارش کا جتنا  |
| 46 | ہمارا آ رہا ہے  |
| 48 | سمندر جو آج نہیں ملتے   |
| 50 | سمندروں کی تاریکی اور اندرونی لہریں                             |
| 53 | ہماری حرکات قابو میں رکھتے والا جملہ                            |
| 54 | انسان کی پیدائش   |
| 64 | شیر مار   |
| 65 | انگیوں کے کائنات میں شہنشاہت                                    |
| 67 | <b>حصہ دوم</b> قرآن کریم میں مستقبل کے بارے میں معلومات (تعارف) |
| 68 | بارانیہ کی فتح  |
| 73 | <b>حصہ سوم</b> قرآن کے تاریخی حجز سے لے کر آج تک                |
| 76 | قرآن میں مصری حکمرانوں کے خطابات                                |
| 78 | غلامہ کا کام قرآن خدا کا کام ہے                                 |
| 80 | <b>حصہ چہارم</b> ارتقا کا نظریہ                                 |

حصہ اول:

# قرآن کے سائنسی معجزے



## تعارف

چودہ صدیاں پہلے خدا نے نوح انسانی کی رہنمائی کے لیے قرآن نازل فرمایا۔ اس نے لوگوں کو سچائی کے ساتھ جڑے رہنے کے لیے اس کتاب کی جانب دعوت دی۔ اس کتاب کے نازل ہونے کے دن سے لے کر قیامت کے دن تک صرف یہ آخری الہامی کتاب ہی انسانیت کے لیے رہنما رہے گی۔

قرآن کا لائٹانی اور انوکھا انداز اور اس میں انتہائی بالا تر دلائل و حکمت اس بات کا حتمی ثبوت ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ مزید برآں قرآن کریم کی بے شمار معجزاتی صفات ثابت کرتی ہیں کہ یہ خدا کی وحی ہے۔ ان صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ ایسے بہت سارے سائنسی حقائق جو ہم نے جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے بیسویں صدی میں دریافت کیے، ان کا انکشاف قرآن نے چودہ سو سال پہلے کیا۔

بے شک قرآن سائنس کی ایک کتاب نہیں ہے، مگر کئی سائنسی حقائق جو اس کی آیات میں انتہائی جامع اور نمایاں انداز میں بیان کیے گئے ہیں، صرف بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی کی مدد سے دریافت کیے جاسکے ہیں۔ قرآن کے نزول کے وقت ان حقائق کو نہیں جانا جاسکتا تھا، یہ مزید ایک ثبوت ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔

قرآن کا سائنسی معجزہ سمجھنے کے لیے ہمیں نزول قرآن کے وقت کی سائنسی حالت پر نگاہ ڈالنی ہوگی۔

ساتویں صدی عیسوی میں جب قرآن کا نزول ہوا، عرب معاشرے میں سائنسی معلومات کے حوالے سے بہت سارے توہماتی اور بے بنیاد خیالات موجود تھے۔ ٹیکنالوجی اتنی ترقی یافتہ نہیں تھی کہ یہ لوگ کائنات اور قدرت کو پرکھ سکیں، لہذا یہ عرب اپنے آپ سے وراثت میں ملے قصے کہانیوں پر یقین رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر ان کا خیال تھا کہ آسمان کو پہاڑوں نے سہارا ہوا ہے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ زمین ہموار ہے، اور اس کے دونوں کناروں پر اونچے پہاڑ واقع ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ پہاڑ ایسے ستون ہیں جنہوں نے آسمان کے قبة یا گنبد کو تھاما ہوا ہے۔

بہر حال قرآن کے نزول کے ساتھ ہی عرب معاشرے کے ان تمام توہماتی خیالات کا قلع قمع ہو گیا۔ سورۃ الرعد کی آیت ۴ میں کہا گیا:

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا...  
 ”خدا وہی تو ہے جس نے ستاروں کے بغیر آسمان جیسا کہ تم دیکھتے  
 ہو (اٹھنے) اٹھنے بنائے۔“

(سورۃ الرعد، آیت ۲)

اس آیت نے اس خیال کی نفی کر دی کہ آسمان پہاڑوں کی وجہ سے بلندی پر قائم ہے۔ قرآن  
 میں دیگر کئی مقامات پر وہ اہم حقائق اس وقت بتائے گئے جب کوئی ان کو نہ جان سکتا  
 تھا۔ قرآن اس وقت نازل ہوا جب لوگ فلکیات (Astronomy)، طبیعیات (Physics)  
 یا حیاتیات (Biology) کے متعلق بہت کم جانتے تھے یہ وہ مضامین ہیں جن سے کائنات کی  
 تخلیق، انسان کی تخلیق، فضا کی ساخت، زمین پر زندگی کو ممکن بنانے والے نازک تناسب  
 جیسے موضوعات کے بارے میں بنیادی معلومات ملتی ہیں۔  
 آجے اب ہم قرآن میں دیے گئے ان سائنسی معجزات پر مل کر ایک نظر ڈالتے ہیں۔



## کائنات کا وجود میں آنا

آغاز کائنات کے متعلق قرآن میں مندرجہ ذیل آیت میں بتایا گیا ہے:

بَدِيعَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

”(وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدائے کرنے والا (ہے)۔“

(سورہ انعام، آیت ۱۰۱)

اس قرآنی آیت میں موجود معلومات کے ساتھ موجودہ سائنس مکمل مطابقت رکھتی ہے۔ آج فلکی طبیعیات اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ یہ ساری کائنات، اپنے ہمہ جہت مائے اور وقت کے ساتھ، لازمًا میں ایک بہت بڑے دھماکے کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ اس واقعے کو ”بگ بینگ“ (The Big Bang) کہا گیا، اور اس نے ثابت کیا کہ کائنات ایک واحد نقطے کے دھماکے سے عدم (Nothingness) سے وجود میں لائی گئی۔ جدید سائنسی حلقے اس بات پر پوری طرح متفق ہیں کہ کائنات کے وجود میں آنے اور شروع ہونے کے بارے میں صرف یہ عظیم دھماکا ہی عقلی اور ثابت ہو سکتا ہے۔

حالت نیست یا عدم سے عظیم دھماکے کے ذریعے مادے، توانائی اور وقت کی تخلیق کی گئی۔ کہ جب نہ مادہ موجود تھا، نہ توانائی، اور نہ ہی وقت پایا جاتا تھا۔ بگ بینگ سے پہلے مادے کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور جس کو صرف مابعد الطبیعیاتی انداز ہی میں بیان کیا جاسکتا ہے، مادہ، توانائی اور وقت سارے تخلیق کیے گئے۔ یہ حقیقت صرف حالیہ جدید فزکس کی بدولت سامنے آئی ہے، جو ہمیں قرآن میں ۱۴۰۰ سال پہلے بتادی گئی تھی۔



کوہنہ خلائی سیٹلائٹ (COBE Space Satellite) کو ۱۹۹۲ء میں خلا میں روانہ کیا گیا تھا، جس پر لگے ماس سسٹمز کی مدد سے لی گئی بگ بینگ کی باقیات کی صریح تصویر۔ یہ دریافت بگ بینگ کا ثبوت ہے جو کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کی ایک سائنسی توجیہ ہے۔





## کائنات کا پھیلاؤ

قرآن جو پودہ صدیاں پہلے ایک ایسے وقت میں نازل کیا گیا جب فلکیاتی سائنس اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس میں کائنات کے پھیلاؤ کے متعلق اس طرح وضاحت کی گئی:

وَالسَّاءُ بَنِينَهَا يَابِدُ وَ اِنَّا لَنُوسِعُونَ ۝

”اور آسمانوں کو ہم نے ہاتھوں سے بنایا اور ہم کو بڑھاتے رہے۔“

(سورۃ الذاریات، آیت ۴۷)

لفظ ”آسمان“ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر خلا اور کائنات کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں بھی انہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ کائنات ”پھیل“ رہی ہے اور یہی وہ حتمی نتیجہ ہے جس پر سائنس آج پہنچ چکی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء تک سائنس کی دنیا میں پایا جانے والا تصور یہ تھا کہ ”کائنات ایک مستقل ساخت رکھتی ہے اور یہ ازل سے وجود میں ہے۔“ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے کی گئی تحقیقات و مشاہدات اور اعداد و شمار سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں اس کائنات کی ایک ابتداء تھی، اور یہ مسلسل ”پھیل“ رہی ہے۔



ایڈوین ہبل (Edwin Hubble)  
ابتدائی عظیم دور بین کے ساتھ

بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں روسی طبیعیات دان الکسیٹر نڈر فریڈمان (Alexander Friedmann) اور کیمبرج کے ماہر کونیات جارج لیمایٹر (Georges Lemaitre) نے حساب لگا کر ثابت کیا کہ کائنات مسلسل گردش میں ہے اور یہ پھیل رہی ہے۔

یہ حقیقت مشاہداتی اعداد و شمار سے بھی ۱۹۲۹ء میں ثابت ہو گئی۔ دور بین سے آسمان کا مشاہدہ کرتے



علمی دھماکے (The Big Bang) کے لمحے سے لے کر اب تک یہ کائنات اختیاتی رفتار سے مستقل پھیل رہی ہے۔ سائنس دان اس پھیلتی ہوئی کائنات کو ایک پھولتے ہوئے طہارے کی طرح سے تصور دیتے ہیں۔

ہوئے امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل (Edwin Hubble) نے مشاہدہ کیا کہ ستارے اور گیلکسیا میں مستقل ایک دوسرے سے دور ہوتے رہے ہیں۔ ایک ایسی کائنات کو جس میں موجود ہر گیلکسی دوسری گیلکسی سے مسلسل دور ہوتے رہے، ہے، ایک مستقل "پھیلتی ہوئی" کائنات کہا جاسکتا ہے۔

اسکے بعد کے برسوں میں ہونے والے مشاہدوں نے یہ ثابت کر دیا کہ واقعی یہ کائنات مسلسل پھیلتی ہوئی کائنات ہے۔ اس حقیقت کو قرآن میں اس وقت بتا دیا گیا تھا جب اس کا کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے، جو مادی کائنات کا خالق اور مالک ہے۔

﴿Joerges Lemaître﴾

## آسمانوں اور زمین کا پھوٹنا

آسمانوں کی تخلیق کے بارے میں قرآن حکیم کی ایک اور آیت میں بتایا گیا:

أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا نَفْثًا

فَنفَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَاهُمَا سَمَاءً وَبِلَادًا لِّكُلِّ شَيْءٍ حَسْبٍ ۚ

أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝

”کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں نے ہوائے تھوہم

نے ان کو جدا جدا کر دیا۔ اور تمام جائیداد چیزیں ہم نے پانی سے بنا دیں۔ پھر

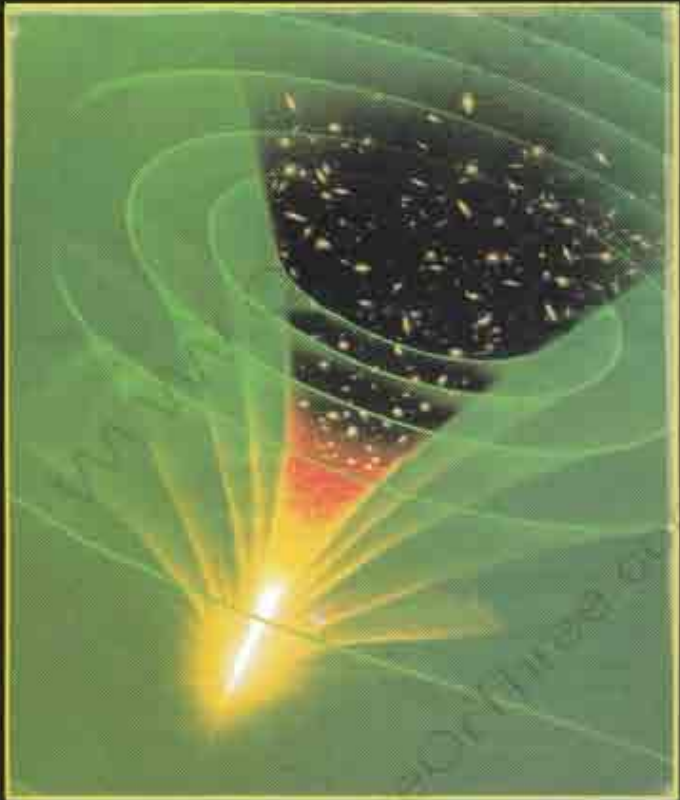
یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔“

(سورۃ النبیاء، آیت ۳۰)

عربی میں لفظ نفثی معنی دیتا ہے ”آپس میں گھل مل جانے“ اور ”آہیزہ“ کے۔ یہ لفظ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں وہ مختلف اشیاء آپس میں مل کر ایک نئی مکمل شے کو وجود بخشتی ہیں۔ یہاں بیان ”ہم نے ان کو الگ کیا“ کے لیے عربی میں فعل نفثی ہے اور یہ کسی چیز کو پھاڑ کر یا چیر کر یا رتی کی شکل کو تباہ کرتے ہوئے وجود میں آنے پر لاگو ہوتا ہے۔ ایک بیج کا سطح زمین سے اسے پھاڑتے ہوئے پھوٹنا ایسا عمل ہے جہاں یہ فعل لاگو ہوتا ہے۔

آئیے مندرجہ بالا معلومات ذہن میں رکھتے ہوئے آیت مذکورہ پر دوبارہ ایک نظر ڈالتے ہیں۔ اس آیت میں آسمان اور زمین کو نفثی کی ابتدا کی حالت بتایا گیا ہے۔ ان کو ایک دوسرے سے نکالتے ہوئے آپس میں علیحدہ (نفثی) کیا گیا۔ اگر ہم عظیم دھماکے کے ابتدائی لمحات سے متعلق تصور کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ایک واحد نقطے میں کائنات کا سارا مادہ موجود تھا۔ دوسرے الفاظ میں ہر شے مع ”آسمانوں اور زمین“ کے جو اب تک تخلیق نہ کیے گئے تھے، رتق کی حالت میں تھی۔ یہ نقطہ ایک زبردست قوت کے ساتھ پھٹا، جس کی وجہ سے اس میں موجود مادہ پھوٹا (نفثی) اور نتیجتاً ساری کائنات وجود میں آئی۔

جب ہم اس آیت میں بیان کردہ حقائق کا سائنسی دریافتوں کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہ بات دلچسپی سے غالی نہیں کہ یہ دریافتیں بیسویں صدی تک سامنے نہیں آئی تھیں۔



یہ تصور عظیم دھماکے (The Big Bang) کی نمائندگی کرتی ہے، جو ایک بار پھر یہ ثابت کرتی ہے کہ خدا نے کائنات کو عدم سے پیدا کیا۔ عظیم دھماکا کا ایک تصوری ہے جسے سائنسی شہادتوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ باوجودیکہ کچھ سائنس دانوں نے کوشش کی کہ بگ بینک کے مقابلے میں متبادلی نظریے سامنے لائیں، مگر سائنسی شہادتوں کی موجودگی کی وجہ سے سائنسی ہر اداری میں یہ تصوری مکمل طور پر قبول کی جا چکی ہے۔

## ستاروں اور سیاروں کے مدار

قرآن حکیم میں اگر سورج اور چاند کے متعلق دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ایک مخصوص مدار یا مخصوص راستے پر جو حرکت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۵﴾

”اور وہ تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب (یعنی سورج اور چاند اور ستارے) آسمان میں (اس طرح چلتے ہیں گویا) حیر رہے ہیں۔“  
(سورۃ الضحیٰ، آیت ۵)

اسی طرح ایک دوسری آیت میں بھی بتایا گیا ہے کہ سورج ساکت نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص مدار میں حرکت پذیر ہے:

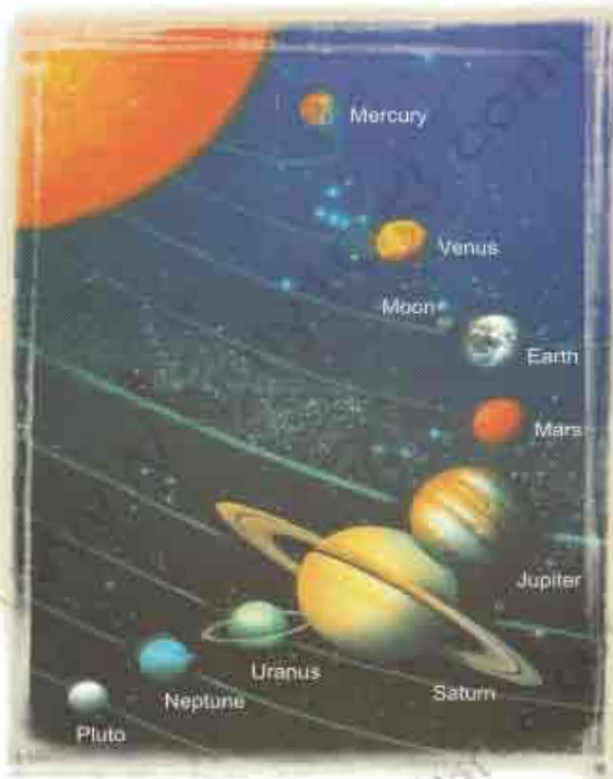
وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ أَمْثَلُ ذَلِكَ  
تَحْوِيلُ الْعَرْشِ عَلِيمٌ ﴿۶﴾

”اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ (قدارے) جانب اور انکار (مقرر کیا) (اعمال و حیل)۔“  
(سورۃ النجم، آیت ۶)

قرآن میں بتائی گئیں یہ حقیقتیں ہمارے دور کے جدید فلکیاتی مشاہدوں کی بدولت دریافت ہوئی ہیں۔ ماہرین فلکیات کے کیے ہوئے انداز و شمار کے مطابق سورج ایک خاص مدار (Solar Apex)، میں ویگا ستارے (Star Vega) کی جانب سات لاکھ بیس ہزار (۷۲۰,۰۰۰) کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے سورج ایک دن میں اندازاً ایک کروڑ، بمقام لاکھ، اسی ہزار (۱,۷۲,۰۰,۰۰۰) میل کا سفر طے کرتا ہے۔ سورج کے ساتھ ساتھ اس کی کشش ثقل کے زیر اثر مائے سیارے اور سیارچے بھی یہ فاصلہ طے کرتے جا رہے ہیں۔ مزید برآں کائنات میں موجود مائے ستارے اسی سے ملتے جلتے مقررہ گردش میں ہیں۔ یہ کہ تمام کائنات مداروں اور راستوں سے پر ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

وَالسَّمَاءُ ذَاتَ الْحُبُوكِ ﴿۷﴾

”اور آسمان کی قسم میں راستے ہیں۔“  
(سورۃ الذاریات، آیت ۷)



کائنات میں تقریباً ۲۰۰ بلین لکشاکیں موجود ہیں جن میں سے ہر ایک میں اندازاً ۲۰۰ بلین ستارے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ستاروں کے اپنے سیارے، اور ان میں سے اکثر سیاروں کے ذیلی سیارے ہیں۔ یہ سارے خلائی اجسام نہایت بڑے تھکے مداروں یا مقررہ راستوں پر سفر کر رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں سال سے ان اجرام فلکی میں سے ہر ایک دیگر تمام اجسام کے ساتھ اپنے اپنے مدار میں ایک مکمل گولے کے ساتھ تیر رہا ہے۔ علاوہ ازیں کافی تعداد میں دم دار سیارے بھی اپنے مخصوص مداروں میں حرکت پذیر ہیں۔

کائنات میں موجود ہر صرف خلائی اجسام ہی کے لیے مخصوص نہیں۔ لکشاکیں بھی انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ متعین اور مخصوص راستوں پر رواں دواں ہیں۔ اپنے اس سفر کے دوران ان اجرام فلکی میں سے کوئی بھی دوسرے کا طے شدہ راستہ نہیں کاٹتا، نہ دوسرے سے ٹکراتا ہے۔



یقینی بات ہے کہ جب قرآن نازل ہوا تو اس دور کے انسان کے پاس موجود دور نہیں تھیں، اور نہ ترقی یافتہ مشاہداتی ٹیکنالوجی مہیا تھی کہ وہ ان کی مدد سے خلا کا لاکھوں کلومیٹر تک مشاہدہ کر سکتے، اور نہ ان کے پاس جدید طبیعیات یا فلکیات کا علم تھا۔ چنانچہ اس وقت سائنسی طور پر یہ جاننا ممکن نہ تھا کہ خلا "راستوں اور مداروں" سے بھری پڑی ہے، جیسا کہ آیت میں بتایا گیا ہے۔ مگر ہمیں قرآن میں یہ کھول کھول کر اس وقت بتا دیا گیا تھا کیونکہ قرآن خدا کا کلام ہے۔



کائنات میں موجود دوسرے اہم دار مداروں کی مانند نیلے کاہم دار ستارہ بھی اپنے مخصوص مدار میں گردش کر رہا ہے۔ اس کا ایک مخصوص مدار ہے اور یہ اس مدار میں دوسرے خلائی اجسام کے ساتھ ملکی ہم آہنگی کے ساتھ ٹھوکر کھڑی ہے۔



تمام خلائی اجسام مع سیارے، انہا سیاروں کے ذیلی سیارے، ستارے اور حتیٰ کہ کہکشاں اپنے اپنے مدار پر گھومتی ہیں، جن کا انہی کی جاذبہ ثقل کا پتلا جان ہوتا ہے۔ اس مکمل ترین ترتیب کو کلمہ درجہ اول اور چلانے والا خدا ہی تو ہے جس نے یہ ساری کائنات تخلیق کی۔

## زمین کی گولائی

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَكْوِيرَ اللَّيْلِ عَلَى النَّهَارِ  
وَتَكْوِيرَ النَّهَارِ عَلَى اللَّيْلِ...

اسی نے آسمانوں اور زمین کو تہہ کے تختہ پودا کیا ہے (اور) رات

کو رات پر اور دن کو دن پر ہے۔ (سورۃ الزمر: آیت ۵)

قرآن حکیم میں کائنات کی وضاحت کے لیے استعمال کیے گئے الفاظ خصوصی توجہ کے لائق ہیں۔ اوپر کی ترجمہ شدہ آیت میں "لپیٹنا" کے لیے عربی لفظ "تکویر" ہے۔ انگریزی میں اس کا مطلب ہے "کسی چیز کے اوپر کسی اور چیز کا ڈال دینا اور لپیٹ دینا اس طور سے کہ کپڑوں کی مانند ان کو تہہ کر کے ایک جانب ڈال دیا جائے۔" (مثال کے طور پر عربی لغات میں اس لفظ کو کسی ایک چیز کے دوسری پر لپیٹ دینے کے وقت استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ ایک پگڑی باندھی جاتی ہے)۔

اس آیت میں دن اور رات کے ایک دوسرے کے اوپر لپیٹ دینے کے بارے میں دی گئیں معلومات میں دنیا کی شکل اور ساخت کے بارے میں بالکل ٹھیک معلومات موجود ہیں۔ یہ بیان اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ جب زمین گول ہو۔

اس کا مطلب ہے کہ قرآن میں جو ساتویں صدی عیسوی میں نازل ہوا، زمین کی گولائی کے متعلق صاف اشارہ دے دیا

گیا تھا۔ یاد رہے کہ نزول قرآن کے دور میں دنیا فلکیات کے بارے میں مختلف خیالات رکھتی تھی۔

اس وقت خیال کیا جاتا تھا کہ دنیا ایک ہموار

میدان کی طرح ہے اور سارے اعداد و شمار اور

توضیحات اسی سوچ کے مطابق کی جاتی تھیں۔

قرآنی آیات میں وہ معلومات موجود ہیں جن کا علم

ہمیں گزشتہ صدی میں ہوا۔ چونکہ قرآن خدا کا کلام

ہے، اس لیے اس میں کائنات کے بیان کے لیے بھی بالکل ٹھیک ٹھیک الفاظ استعمال کیے گئے۔



## حفاظتی چھت

قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ آسمان کو بخشی گئی ایک خاص خوبی کی جانب ہماری توجہ یوں دلاتا ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِنَا  
مُعْرِضُونَ ۝

”اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منحہ  
مجھ رہے ہیں۔“ (سورۃ النبیاء، آیت ۲۳)

آسمان کی اس خوبی پر سے بیسویں صدی عیسوی میں سائنسی تحقیق کے ذریعے پردہ اٹھا۔  
زمین کو گھیرے ہوئے فضا زندگی کی جگہ اور اسے قائم و دائم رکھنے کے لیے انتہائی  
اہم خدمات سرانجام دیتی ہے۔ خلا سے زمین پر پہنچنے والے بہت سارے چھوٹے اور بڑے  
شہاب ثاقب کو یہ زمین کی سطح پر پہنچنے اور یہاں پر موجود حیات کو نقصان پہنچانے سے پہلے ہی  
تباہ کر دیتی ہے۔

مزید برآں زمین کی فضا خلا سے آنے والی شعاعوں کو پھانتی ہے، جو  
جانداروں کے لیے بہت مضر ہوتی ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ فضا صرف بے ضرر اور  
مضید شعاعوں، روشنی، قرسی بالائی بخشنی روشنی اور ریڈیائی لہروں کو گزرنے دیتی ہے۔ اس قسم



زمین کی فضا صرف انہی شعاعوں کو اندر آنے  
دیتی ہے جو زمین پر زندگی کی جگہ کے لیے  
ضروری ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بالائی  
بخشنی (Ultraviolet) شعاعوں کا کچھ  
حصہ اس میں کامیاب ہوتا ہے۔ ان شعاعوں  
کا یہ حصہ چاروں طرف میں بکرا دینے کے عمل  
کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ تمام  
زندہ حیات کی جگہ کے لیے بھی ضروری ہے۔



اس خاک کے میں شہاب ثاقب کے زمین سے تقریباً ٹکرانے کا عمل دکھایا گیا ہے۔ خلا میں پڑتے ہوئے  
آوارہ اجسام زمین کے لیے ایک سخت خطرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ مگر خدا نے کہ ہوا پرتابی مادہ تخلیق کرتا  
ہے، زمین کی فضا کو زمین کے لیے ایک محفوظ گڑ بننے والی جیت بنا دیا ہے۔ لہذا کائنات ہے کہ بہت  
سارے شہاب ثاقب زمین کو نقصان نہیں پہنچا پاتے اور فضا ہی میں گھومنے لگتے ہو جاتے ہیں۔

کا سارا اشعاعی عمل (Radiation) زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ قرعہ جی بالائی بخشی شعاعوں  
(Near Ultraviolet Rays) کا جزوی حصہ ہی اندر آنے دیا جاتا ہے، جو پودوں



بہت سارے لوگ آسمان کو دیکھتے ہوئے فضا کی حفاظت کرنے والی خاصیت پر غور نہیں کرتے۔ وہ  
یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس فضا کے بغیر یہ دنیا کیسے ہوتی۔ اوپر والی تصویر ایک وسیع طاقت سائنس کے  
ایک گڑھے کی ہے جو اری زونا (Arizona) امریکہ میں گرنے والے ایک شہاب ثاقب سے  
بننا گرنے زمین کی فضا کا وجود نہ ہوتا تو آسمانوں، کرہ زمین کی تعداد میں زمین پر گرنے والے شہاب  
ثاقب کی ہمارے زمین سے زمین رہنے کے قابل نہ رہتی۔ مگر زمین کی فضا کی اس حفاظتی طاقت کی  
وجہ سے زندہ اجسام کی جلا و سلاقی چاری ہے۔ یہ تقریباً خدا کی ہدایت سے لوگوں کے لیے ظاہر کیا  
اور یہ ہے، اور ایک عجوبہ جس کا قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

میں سبز مادہ بننے کے عمل (Photosynthesis) اور ساری زندہ حیات کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ سورج سے نکلنے والی شدید بالائی نفاشی شعاعوں کا اکثر حصہ فضا کی اوزون تہہ چھان لیتی ہے، اور بالائی نفاشی طیف (Spectrum) کا صرف ایک محدود اور ضروری حصہ ہی زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔



اگر ہم زمین کی سطح سے اوپر جائیں زمین کی فضا سے پرے خلا میں تو ہمیں محسوس ہونے والی سردی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زمین جو زندہ حیات کے لیے انتہائی محفوظ جگہ ہے، اس محسوس ہونے والی سردی جو اکثر ۲۷۰° ڈگری ہوتی ہے سے فضا کی بدولت محسوس ہوتی ہے۔

فضا کا یہ حفاظتی کام پہاڑ پر شرم نہیں ہو جاتا۔ زمین کی فضا زمین کو خلا کی منجمد کر دینے والی سردی سے بھی بچاتی ہے، جو تقریباً منفی ۲۷۰° ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ یہ صرف زمین کی فضا ہی نہیں جو اسے نقصان دہ اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ فضا کے علاوہ زمین کے ماحولیاتی میدان کی وجہ سے لینے والی وان الٹین پٹیاں (Van Allen Belts) بھی ہمارے سیارے کے لیے خطرناک شعاعوں سے بچانے کے لیے بحال کا کام کرتی ہیں۔ سورج اور دیگر ستاروں سے نکلنے والی یہ خطرناک اشعاع زندہ اجسام کے لیے قاتل ہوتی ہے۔ اگر وان الٹین پٹیوں کا وجود نہ ہوتا تو سورج پر کثرت سے پیدا ہونے والی شعاع افشانی (Outbursts of Energy) جسے آتہانی شعاع افشانی (Solar Flares) بھی کہتے ہیں، کی توانائی کی وجہ سے زمین پر زندگی کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ہوراس (Dr. Hugh Ross) انسانی زندگی کے لیے وان الٹین پٹیوں کی اہمیت کے بارے میں کہتے ہیں



درحقیقت ہمارے نظام شمسی کے سیاروں میں زمین ہی سب سے زیادہ کثافت رکھنے والا سیارہ ہے۔ اس کا انکڑا بڑا لکڑ اور لوہے کا گھرو (Nickel-Iron Core) ہمارے بڑے مٹا جیسی میدان کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ مٹا جیسی میدان اردہ دار ہے۔ ان لین جیوس کی احوال کے بہنے کا جو شعاع اشعائی (Radiation) سے زمین کی حفاظت کرتی ہے۔ اگر یہ احوال موجود نہ ہوتی تو زمین پر حیات کا وجود نہ ہوتا۔ اس طرح کا مٹا جیسی میدان رکھنے والا واحد سیارہ عطارد (Mercury) ہے۔ لیکن اس کے مٹا جیسی میدان کی طاقت (گھٹنا کے مقابلے میں ایک سو گنا کم ہے، حتیٰ کہ ہماری زمین کے جڑواں سیارے زہرہ (Venus) کا کوئی مٹا جیسی میدان موجود نہیں۔ ان لین احوال زمین ہی کے لیے ایک مفروضہ یا رائے ہے۔



سورج پر ہونے والے نیوکلیائی عمل کے دوران ایک آتمائی اشعاع (Sun Burst) سے توانائی کی اتنی مقدار خارج ہوتی ہے کہ آتمائی ذرات اس کا اثر رکھیں کہ سکتا۔ ایک مفروضہ اشعاع سے پیدا ہونے والی توانائی پر زمین پر گرا کے ۱۰۰ بلین اٹوم بکول کے برابر ہوتی ہے۔ کیا اس توانائی کے جذبہ کی طرف سے زمین کی طرف اور ان لین جیوس (Van Allen Belts) کی طرف سے محفوظ رہتی ہے۔





مگنٹوسفر (Magnetosphere) کی سرحد زمین کے چاروں طرف میدان کی وجہ سے قوتی ہے اور زمین کے قطبی  
ایسٹیم انکسٹن ریفلیکس شعاعیں (Cosmic Rays) اور شمسی امات سے ایک اعلیٰ کی طرح حالت  
تی ہے۔ اور ان کی تہہ پر میں یہ مگنٹوسفر کے دو حصے ہیں: وین بیلٹس (Van Allen Belts) بھی کہتے ہیں اور  
اگرچہ ان کی ہیں۔ یہ بیلٹس زمین کو ہزاروں اٹومسفرکٹ احاطہ کرتے ہیں اور یہ بیلٹس شمسی توانائی کو کھانسی میں  
رکھ کر زمین پر وہ مہلک و مسمیت کی حالت کرتی ہیں۔ یہ شمسی ماس کی دریاہیں ہیں۔ ان میں زیادہ خاص  
آواز سے زمین کی حالت کا بندہ ہے کہ یہ کیا ہے۔ یہاں خاص بات یہ ہے کہ زمین میں ۱۹۴۰ء میں پہلے ہی  
آیت "اور ہم نے آسمان کو ایک مگنٹوسفر سے ڈھک دیا ہے" میں بتا دیا گیا ہے۔

حالیہ برسوں میں ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق صرف ایک دھماکے کے نتیجے  
میں جو توانائی خارج ہوئی، وہ ہیر و شیمار پر گرائے جانے والے ایٹم بم کی طاقت والے ایک سو  
بلین ایٹم بموں سے خارج ہونے والی توانائی کے برابر ہے۔ اس دھماکے کے ۵۹ گھنٹے  
بعد قطب نما کی مقناطیسی سوئیوں میں غیر معمولی حرکات ظاہر ہوئیں اور زمین کی فضا سے دوسو  
پچاس کلو میٹر اوپر درجہ حرارت اچانک دو ہزار پانچ سو ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ گیا۔  
مختصر یہ کہ زمین کے بالائی حصے میں ایک مکمل ترین نظام ہر وقت کام میں مشغول  
رہتا ہے۔ یہ نظام ہماری دنیا کو لٹا چاہیے ہوئے ہے اور اسے بیرونی خطرات سے محفوظ فراہم کرتا  
ہے۔ سائنس دان اس کے بارے میں حال ہی میں جان سکے ہیں، مگر خدا نے قرآن میں ہمیں  
صدیوں پہلے آگاہ کر دیا کہ زمین کی فضا اس کیلئے ایک حفاظتی ڈھال کا کام کر رہی ہے۔



## پلٹانے والا آسمان

قرآن حکیم میں سورۃ طہ کی آیت ۱۱ آسمان کے ”پلٹانے“ والے عمل کی جانب اشارہ دیتی ہے:

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

”آسمان کی قسم جو واپس برساتا ہے۔“

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ کیجئے حضرت مولانا محمود الحسن کا ترجمہ:  
”قسم ہے آسمان پھر مارنے والے کی۔“

(سورۃ طہ، آیت ۱۱)

قرآن مجید کے تراجم میں لفظ رجوع (Cyclical) کے معنی ”واپس کر دینے والے“ اور ”لوٹانے والے“ کے بھی دیے گئے ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہے، زمین کو فضا کی کئی چیزیں ڈھاپے ہوئے ہوتی ہیں۔ ان میں سے ہر چیز حیات کے فائدے کے لیے اہم کام سرانجام دیتی ہے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ یہ چیزیں خلا سے آنے والے مختلف اجسام یا شعاعوں کے سامنے رہ کر انہیں خلا میں یا زمین پر واپس لوٹانے کا کام کرتی ہیں۔ آئیے اب ہم ان چیزوں کے ریسیکلنگ (Recycle) کرنے والے افعال میں سے چند کا جائزہ لیں۔

ٹروپوسفر (Troposphere) زمین سے ۱۳ سے ۱۵ کلومیٹر کی بلندی پر ہوتی ہے اور زمین کی سطح سے اوپر اٹھنے والے آبی بخارات کی کثافت بڑھا کر انہیں بارش کی صورت میں زمین پر ”پلٹا“ دینے کا کام کرتی ہے۔

زمین سے ۲۵ کلومیٹر کی بلندی پر قائم اوزون کی تہ (Ozonosphere) خلاء سے آنے والی شعاع افشانی (Radiation) اور بالائی بنفشی شعاعوں (ultraviolet Rays) کو ”پلٹا“ کر واپس خلا میں پھینک دیتی ہے۔

آئیونوسفیر (Ionosphere) زمین پر نشر ہونے والی ریڈیائی لہروں کو بائیں اور دائیں طرف سے واپس لے کر ”پلٹا“ دیتا ہے۔ زمین کے مختلف حصوں کی جانب ”موڈ“ (Mod) کے ذریعے سے واپس لے کر ”پلٹا“ دیتا ہے۔ زمین کے مختلف حصوں کی جانب سے فاسوں، سب سے پہلے ممکن

ہوتا ہے۔

میکینکسٹیر (Magnetosphere) سورج اور دیگر ستاروں سے خارج ہونے والے نقصان دہ تاب کار ذرات (Radio Active Particles) کو زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی انھیں دوبارہ خلا کی طرف لوٹا دیتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زمین کی فضا کی تہوں کی اس واپس کر دینے والی خاصیت کا چٹا ماضی قریب میں ہی چلا ہے، اور اس بارے میں قرآن میں صدیوں پہلے بتا دیا گیا تھا۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کلام الہی ہے۔



زمین پر زندگی کے لیے پانی کا وجود لازمی ہے۔ بارش پٹے کے عمل میں مختلف عوامل میں سے ایک عامل زمین کی فضا کی تہوں میں سے ایک تہہ جو ٹروپوسفر (Troposphere) بھی ہے۔ ٹروپوسفر کی تہ زمین کی سطح سے اوپر اٹھنے والے آبی بخارات کو شیف (Dense) کر کے اداہیں بارش کی صورت میں زمین پر بھیجے کا کام کرتی ہے۔



فضا کی وہ تہ جو زمین پر موجود حیات کے لیے مہلک شعاعوں کو روکتی ہے، اور ٹروپوسفر (Ozonosphere) کہلاتی ہے۔ یہ شعاعیں آئے حالی مہلک کوسمک شعاعیں (Cosmic Rays) مثلاً ہوائی بخشی شعاعیں (Ultraviolet Rays) کے ذریعہ زمین پر پہنچتے اور یہاں کی حیات کو نقصان پہنچانے سے پہلے ہی خلا میں واپس کا ذریعہ بنتی ہے۔



السان کہیے فضا کی کئی حفاظتی تہوں میں سے ہر تہ فائدہ مند ہے۔ آسمان ٹروپوسفر زمین کے ایک حصے سے ٹھہر جانے والے دیگر بوسٹل واپس زمین کی جانب مڑ دیتی ہے، اور اس طرح رینگے والی اشعائے کے دوسرا علاقہ تک ترسیل کا ذریعہ بنتی ہے۔

## فضا کی تہیں

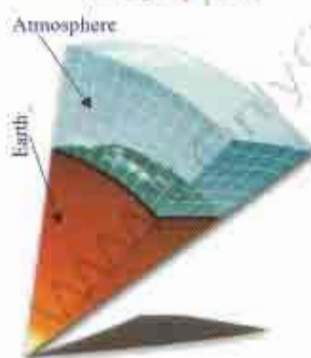
کائنات کے متعلق قرآنی آیات میں بتائی گئی ایک حقیقت یہ ہے کہ آسمان سات تہوں سے بنایا گیا۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۵﴾  
 ”وہی تو ہے جس نے سب چیزیں زمین میں ہیں تمہارے لیے پیدا کیں پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا یا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔“

(سورۃ البقرہ آیت ۲۹)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۖ فَقَالَتَا إِنَّا نَتَّبِعُكَ ۖ فَقَسَمْنَا سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ  
 ”پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا۔ ”دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے خواہ ناخوشی سے۔ انھوں نے کہا۔ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دون میں سات آسمان بنائے اور ہر آسمان میں اس (کے) کام کا حکم بھیجا۔“

(سورۃ النجم آیت ۱۰، ۱۱)



زمین پر زندگی کے لیے ضروری ساری صفات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک زمین کی فضا بھی ہے، جو زندہ اجسام کے لیے ایک محفوظ (حائل) کام کرتی ہے۔ آج یہ ایک مافی ارضی حقیقت ہے کہ زمین کی اسی ایک دوسرے کمانہ ہری مختلف تہوں سے مل کر رہتی ہے، اور جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا زمین کی فضا سات تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ قیمتی طور پر قرآن کے جہروں میں سے ایک جہرہ ہے۔

لفظ ”سماوات“ قرآن حکیم کی کئی آیات میں زمین کے اوپر کے آسمان ہلکے ساری کائنات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ کے اس معنی کو سامنے رکھتے ہوئے چاہتا ہے کہ زمین کا آسمان یا اس کی فضا سات تہوں (Layers) سے مل کر بنتی ہے۔  
درحقیقت آج یہ معلوم ہو گیا ہے کہ زمین کی فضا ایک دوسرے کے اوپر دھری مختلف تہوں پر مشتمل ہے۔ مزید برآں جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا یہ فضا سات تہوں پر مشتمل ہے۔ ایک سائنسی ماخذ میں اس مضمون کو ایسے بیان کیا گیا ہے:

EXOSPHERE



سائنس دانوں نے دریافت کیا ہے کہ زمین کی فضا کی تہیں ہیں۔ یہ تہیں طبعی غواص مثلاً دباؤ (Pressure) اور گرمیوں کی اقسام کی بدولت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ فضا کی تہوں میں زمین سے قریب ترین تہہ ٹروپوسفر (Troposphere) کہلاتی ہے۔ یہ فضا کی تقریباً نوے فیصد گیت، مٹی ہے۔ ٹروپوسفر کے اوپر کی تہہ کا نام اسٹریٹوسفر (Stratosphere) ہے۔ اس تہہ کی تہہ اسٹریٹوسفر کا حصہ ہوتی ہے، جہاں بالائی بخشی شعاعوں کا الٹا اب ہوتا ہے۔ اسٹریٹوسفر کے اوپر کی تہہ مزیٹوسفر (Mesosphere) کہلاتی ہے۔ مزیٹوسفر کے اوپر تھرموسفر (Thermosphere) کہلاتی ہے۔ تھرموسفر کے اندر آئیونائزیشن ایک تہہ لگاتی ہیں، جسے آئیونوسفیر (Ionosphere) کہا جاتا ہے۔ زمین کی فضا کا سب سے پرفانی حصہ ۸۰ کلومیٹر سے ۹۹۰ کلومیٹر تک ہوتا ہے اور یہ حصہ ایگزوسفر کہلاتا ہے۔ ۲

50km

یہ دوسریاں پہلے جب آسمان کو ایک واحد حصے سمجھا جاتا تھا، قرآن نے تجزائی طور پر بتایا کہ آسمان تہوں پر مشتمل ہے، مزید یہ کہ ”سات“ تہوں پر۔ جدید سائنس کی بدولت حال ہی میں دریافت ہوا کہ زمین کی فضا حقیقتاً ”سات“ تہوں سے مل کر بنتی ہے۔

15km



اگر ہم درج بالا سائنسی ماخذ میں بیان کی گئی ان تہوں کی تعداد گنیں تو معلوم ہوگا کہ زمین کی فضا درحقیقت سات تہوں سے مل کر بنی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کردہ آیت کے ترجمے سے پتا چلا:

- (۱) ٹروپوسفیر (Troposphere) (۲) سٹریٹوسفیر (Stratosphere)
- (۳) اوزونوسفیر (Ozonosphere) (۴) میزوسفیر (Mesosphere)
- (۵) تھرموسفیر (Thermosphere) (۶) آیونوسفیر (Ionosphere)
- (۷) ایکزوسفیر (Exosphere)

اس موضوع کے بارے میں ایک اور اہم معجزہ سورہ حم جہہ کی آیت نمبر ۱۲ میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اور ہر آسمان میں اس (کے) کام کا حکم بھیجا۔

دوسرے الفاظ میں خدا بیان کرتا ہے کہ اس نے ہر آسمان کو اس کی اپنی ڈیوٹی پر مامور کر دیا ہے۔ یقینی طور پر جیسا کہ گزشتہ ابواب میں دیکھا گیا، ان تہوں میں سے ہر ایک پر انسان اور زمین پر موجود دوسری حیات کے فائدے کے لیے انتہائی ضروری ذمہ داریاں ہیں۔ ہر ایک تہ کا اپنا خاص کام ہوتا ہے، جس میں بارش کے بنانے سے لے کر نقصان دہ شعاعوں سے بچانے تک اور ریڈیائی لہروں کے زمین کی جانب انعکاس کے ذریعے واپس موڑنے سے لے کر شہاب ثاقب سے بچانے تک کے کام شامل ہیں۔

مثال کے طور پر ان کاموں میں سے ایک کام ایک سائنسی مضمون میں ایسے بیان ہوا ہے:

زمین کی فضا کی سات تہیں ہیں۔ ان میں سب سے نچلی تہ ٹروپوسفیر

ٹروپوسفیر (Troposphere) کہلاتی ہے۔ بارش، برف اور

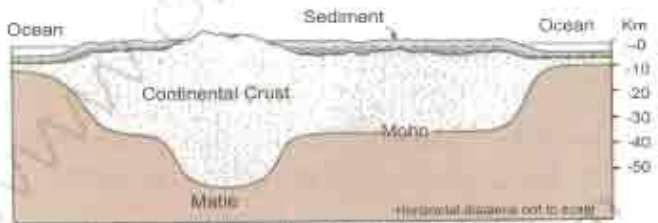
ہوا میں صرف ٹروپوسفیر میں بنتی ہیں۔ ۳۔

یہ ایک بڑا معجزہ ہے کہ وہ حقائق جنہیں بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی کی مدد کے بغیر دریافت نہیں کیا جاسکتا تھا انہیں، ۱۴۰۰ سال پہلے قرآن نے واضح کر دیا تھا۔



## پہاڑوں کے کام

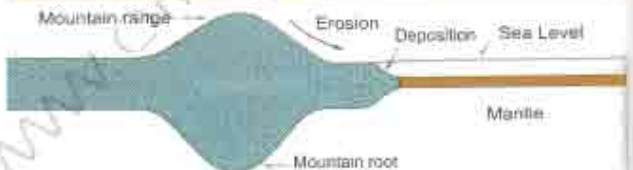
قرآن حکیم ہماری توجہ پہاڑوں کے ایک بے حد اہم ارضیاتی کام کی جانب دلاتا ہے:  
 وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ يَقْبِلَتِ الْبُحُورُ  
 "اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے  
 نہ اتریں (اور ٹپکنے) نہ لگے۔" (مائدہ: ۳۱)



پہاڑوں کی جڑیں سا زمین کے اندر گہرائی تک ہوتی ہیں۔ (اچھو سائنس، سیر، صفحہ ۴۱۳)



خاک بہاتی حصہ۔ کھوتوں کی طرح پہاڑوں کی جڑیں بھی زمین کے اندر گہرائی تک ہوتی ہیں۔  
 (انٹرویو آف دی اچھو سائنس، صفحہ ۲۲)



ایک اور خاک جس میں دکھایا گیا ہے کہ پہاڑوں کی گہری جڑوں کی وجہ سے ان کی شکل بچ پانچوٹے  
 بھیسی ہوتی ہے۔ (اچھو سائنس، ہارکب ایڈیٹنگ، صفحہ ۱۵۸)



جیسا کہ ہم جانتے ہیں، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ پہاڑ زمین کو جگہوں سے بچانے کا کام کرتے ہیں۔

یہ حقیقت قرآن کے نازل ہونے کے وقت کسی کو معلوم نہ تھی۔ اس حقیقت کا علم جدید ارضیاتی تحقیقات کے ذریعے ہوا۔

ان تحقیقات کے مطابق پہاڑ زمین کی بالائی سطح (Earth Crust) کے عظیم الجثہ ٹکڑوں کی حرکات اور ان کے آپس میں ٹکراؤ کے نتیجے میں وجود میں آتے ہیں۔ جب زمین کی ایسی دو پلیٹوں کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو ان میں سے طاقتور پلیٹ دوسری کے نیچے سرک جاتی ہے۔ اوپر والی پلیٹ مرکز پہاڑ اور بلندی بنادیتی ہے۔ دینے والی تہہ نیچے کی جانب مڑ جاتی ہے اور اندر زمین میں گہرائی تک اپنی ایک شاخ بنادیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ گہرائی میں بھی اسے ہی دے رہے ہوتے ہیں جتنا زمین کے اوپر ان کے حصے نظر آتے ہیں۔ ایک سائنسی مضمون میں پہاڑوں کی ساخت کے بارے میں کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

جہاں براعظموں کی موناٹی زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ پہاڑی سلسلوں

میں وہاں بالائی سطح زمین کے اندر گہرائی تک چلی جاتی ہے۔

ایک آیت میں پہاڑوں کے اس کام کی جانب ”کھونٹوں“ (مٹھوں) سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے اشارہ کیا گیا ہے۔



پہاڑ زمین کی سطح کے اوپر اور نیچے ہی زمین کے اندر بالائی سطح زمین کے مختلف حصوں کو آپس میں مٹھوں کی طرح جوڑے رکھتے ہیں۔ بالائی سطح زمین مسلسل حرکت پذیر مختلف پلیٹوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہاڑوں کی اس خاصیت کی وجہ سے زمین کافی حد تک جگہوں سے محفوظ رہتی ہے۔ یہ پہاڑ اس طرح زمین کو قائم اور مست رکھتے ہیں، ورنہ ان کے زمین کی ساخت کافی متحرک ہوتی ہے۔



اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهْدًا ۚ وَ الْجِبَالُ اَوْتَادًا ۚ  
 ”کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اُس کی)  
 ٹخیں (نہیں ٹھہرایا)۔“  
 (سورۃ النبا، آیت ۶۷ء)

دوسرے الفاظ میں پہاڑ زمین کے اوپر اور نیچے رہ کر ان پلیٹوں کے اتصال کے مقامات پر بالائی سطح زمین کے مختلف حصوں کو آپس میں جکڑ دیتے ہیں۔ اس طرح سے یہ پہاڑ زمین کی چھال کے مختلف حصوں کو آپس میں باندھ دیتے ہیں، اور انھیں زمین کے اندر پھٹے ہوئے ماڈے (Magma Stratum) پر اور پلیٹوں کو آپس میں ایک دوسرے پر کھسکنے اور سرکنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ مختصر اہم پہاڑوں کو ان کیوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو کڑی کے مختلف ٹکڑوں کو باہم جوڑتی ہیں۔

زمین کے مختلف حصوں کو آپس میں مستحکم رکھنے کے پہاڑوں کے کام کو سائمنی زبان میں ”آئسو سٹسی (Isostasy)“ کہا گیا ہے۔ آئسو سٹسی کا مطلب نیچے کچھ یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

آئسو سٹسی۔ بالائی سطح زمین کا عمومی توازن، سطح زمین کے نیچے کشش ثقل کے زیر اثر چھریے مواد کے مسلسل بہاؤ کو کہتے ہیں۔

پہاڑوں کا یہ اہم کردار، جو جدید ارضیات اور زلزلیاتی تحقیقات کی بدولت دریافت ہوا ہے، قرآن میں صدیوں پہلے بتا دیا گیا، جو خدائی تخلیق کی عظیم علم و حکمت کی مثال ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَوْتِدَ بِهَمَّ...  
 ”اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں (کے بوجھ) سے  
 نہ ٹپکنے (اور جھکنے) نہ لگے۔“  
 (سورۃ الانعام، آیت ۳۱ء)

## پہاڑوں کی حرکات

ایک آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ پہاڑ ساکن نہیں کھڑے، جیسا کہ کھانی دیتے  
 لہذا، ملاحظہ فرماتے ہیں۔

وَمَرَى الْجِبَالُ تَحْسَبُهَا جَابِلَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ  
 ”اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو خیال کرتے ہو کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے  
 ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح اڑتے پھرتے جیسے بادل۔“

(سورۃ النمل، آیت ۸۸)

پہاڑوں کی یہ حرکت بالائی سطح زمین جس پر یہ قائم ہوتے ہیں، کی وجہ سے پیدا  
 ہوتی ہے۔ پوست زمین، غلاف زمین (Mantle) پر تیرتی ہے جو زیادہ کثیف ہوتی  
 ہے۔ یہ بیسویں صدی کی ابتدا کی بات ہے، جب الفریڈ ویگنر (Alfred Wegener)  
 نامی ایک جرمن سائنس دان نے ایک نظریہ پیش کیا کہ زمین پر قائم براعظم جب پہلی بار بنے تو  
 یہ پہلے آپس میں ملے ہوئے تھے، لیکن اس کے بعد ایک دوسرے سے علیحدہ ہو کر مختلف سمتوں  
 میں دور ہوتے چلے گئے، اور اس دوری کے نتیجے میں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔

الفریڈ ویگنر کی وفات کے پچاس سال بعد ۱۹۸۰ء میں دریافت کیا کہ وہ درست  
 تھا۔ ویگنر نے ۱۹۱۵ء کی اپنی ایک تحریر میں بتایا تھا کہ روئے زمین کے یہ ٹکڑے جیسے یا ٹکڑے  
 تقریباً ۵۰۰ ملین سال پہلے آپس میں (ایک دوسرے سے) جڑے ہوئے تھے۔ خشکی کا یہ عظیم  
 ترین واحد ٹکڑا جس کا نام پنگائی (Pangaea) تھا، کرہ ارض کے جنوبی قطب میں واقع تھا۔  
 تقریباً ۱۸۰ ملین سال پہلے خشکی کا یہ عظیم ایچہ ٹکڑہ پنگائی دو ٹکڑوں میں تقسیم  
 ہوا، اور تقسیم شدہ یہ دو ٹکڑے مختلف سمتوں میں سرکتے گئے۔ ان دو مہیب براعظموں میں سے  
 ایک گونڈوانا (Gondwana) تھا، جس میں افریقہ، آسٹریلیا، انٹارکٹیکا اور انڈیا شامل  
 تھے۔ دوسرے براعظم کا نام لاریشیا (Laurasia) تھا، جس میں یورپ، شمالی امریکا اور  
 انڈیا کے سوا ایشیا کے دیگر علاقے شامل تھے۔ اس تقسیم کے ۱۵۰ ملین سال بعد گونڈوانا اور  
 لاریشیا مزید چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے گئے۔

یہ براعظم پنگائی کی تقسیم کے بعد مسلسل زمین کی سطح پر چند سنی میٹر فی سال کے  
 حساب سے سرکتے رہے اور اس دوران زمین پر سمندر اور خشکی کے تناسب کی تبدیلی کا سبب بنے رہے۔



بیسویں صدی کی ابتدا میں ہونے والی ارضیاتی تحقیق کے نتیجے میں سائنس دان بالائی سطح زمین کی اس حرکت کو یوں بیان کرتے ہیں:

بالائی سطح زمین اور قلاف زمین (Mantle) کے اوپری حصے جن کی موٹائی تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر ہوتی ہے، ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہیں، جنہیں پلیٹیں کہتے ہیں۔ یہاں چھ بڑی اور کچھ چھوٹی پلیٹیں موجود ہیں۔ پلیٹ ٹیکٹونکس (Plate Tectonics) نظریے کے مطابق یہ پلیٹیں زمین پر اپنے ہمراہ براعظموں اور سمندروں کو لیے ہوئے حرکت پزیر رہتی ہیں۔ براعظمی حرکت ایک سے پانچ سینٹی میٹر فی سال تالی گئی ہے۔ یہ پلیٹیں اگر اسی طرح مسلسل حرکت پزیر رہیں تو یہ زمین کے جغرافیہ میں ایک آہستہ تبدیلی کا سبب بنیں گی۔ مثال کے طور پر ہر سال بحر الکاہل کچھ چوڑا ہوتا ہے۔

یہاں ایک بہت ضروری نقطہ بیان کرنا ضروری ہے کہ: خدا نے اس آیت میں پہاڑوں کے بارے میں (ہاولوں کی طرح) اڑائے جانے کا حوالہ دیا ہے۔ آج جدید سائنس دان بھی اس حرکت کے لیے "براعظمی رو" (Continental Drift) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ سائنسی حقیقت، جسے حال ہی میں سائنس نے دریافت کیا ہے، اور جس کا قرآن میں اعلان کیا گیا، قرآن کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے۔



## لوہے میں معجزہ

قرآن میں جن عناصر (Elements) کا ذکر کیا گیا ہے، لوہا ان میں سے ایک ہے۔ سورۃ الحديد (جس کے معنی لوہے کے ہیں) میں ہمیں اطلاع دی گئی:

..... وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ ...

”..... اور لوہا پیدا کیا اس میں (الحديد جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید

ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں...“ (سورۃ الحديد آیت ۲۵)

اس آیت میں لفظ اتار کا استعمال خاص طور پر لوہے کے لیے استعاراتی ہو سکتا ہے۔ جس میں بیان کیا گیا کہ لوہا لوگوں کے فائدے کے لیے ہے۔ لیکن اگر ہم اس لفظ کے ادنیٰ معنی پر غور کریں، یعنی ”طبعی طور پر آسمان سے نیچے اتارنا جانا“ تو ہم پر آشکار ہوتا ہے کہ یہ آیت ایک بے حد اہم سائنسی معجزے پر دلالت کرتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید خلائی دریافتوں نے انکشاف کیا ہے کہ ہماری زمین پر پایا جانے والا لوہا بیرونی خلا میں پائے جانے والے دیو قامت ستاروں سے آیا ہے۔



لوہے کا ٹکڑا (Iron Ingot)

کائنات میں ہماری دھاتیں بڑے ستاروں کے مرکزوں میں بنتی ہیں، جبکہ ہمارے نظام شمسی میں اپنے طور پر لوہا بنانے کیلئے ایک مناسب ڈھانچا موجود نہیں۔ لوہا صرف سورج سے بہت بڑے ستاروں میں ہی بن سکتا ہے، جن میں درجہ حرارت چند سو ملین ڈگری تک پہنچ جاتا ہے۔ جب ایک ستارے میں لوہے کی مقدار ایک خاص تناسب تک جا پہنچتی ہے تو یہ ستارہ اس مقدار کو مزید اپنے اندر سمو نہیں سکتا اور نتیجتاً یہ ستارہ ”نووا“ (Nova) یا ”سپر نووا“ (Supernova) کی صورت میں پھٹ پڑتا ہے۔ اس دھماکے کے باعث شہاب ثاقب خلا میں کھمکھم جاتے ہیں جن میں لوہا موجود ہوتا ہے۔ یہ شہاب ثاقب خلا میں رہتے ہیں تاوقتیکہ کسی خلائی جسم (سیارہ یا ستارہ) کی کشش ثقل کے زیر اثر آ کر اس کی جانب کھینچ نہ جائیں۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ لوہا زمین پر نہیں بنا بلکہ خلا میں پھٹنے والے ستاروں سے شہاب ثاقب کے ذریعے آیا، اور زمین پر نازل ہوا، بالکل اس طرح جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ صاف ظاہر ہے کہ اس حقیقت کو سائنسی طور پر ساتویں صدی عیسوی تک نہیں جانا جاسکا تھا کہ جب قرآن نازل ہوا۔



## تخلیق میں جوڑوں کا کردار

سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ  
وَمِمَّنْ أَنْفُسُهُمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ۝

”وہ خدا پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور  
جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔“

(سورہ یس، آیت ۳۶)

چونکہ ”جوڑے“ کا خیال عام طور پر نر اور مادہ کے لیے پایا جاتا ہے، اس لیے یہ  
بیان کہ ”جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں“ ایک وسیع معنی رکھتا ہے۔ آج اس آیت کے ایک اور  
معنی دریافت ہوئے ہیں۔ برطانوی سائنس دان پال ڈائریک (Paul Dirac) نے  
جسے ۱۹۳۳ء میں طبیعیات کا نوبل انعام دیا گیا تھا، یہ نظریہ پیش کیا کہ مادہ جوڑوں میں تخلیق  
ہوا ہے۔ اس دریافت میں جسے ”Parity“ کا نام دیا گیا، کہا گیا کہ مادہ کو اپنے ضد مادہ  
(Anti Matter) سے جفت (Paired) کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مادے کے بالکل  
برعکس، ضد مادے کے الیکٹرون مثبت بار (Positive Charge) رکھتے ہیں، اور اس  
کے پروٹون پر منفی بار (Negative Charge) ہوتا ہے۔ ایک سائنسی مضمون میں اس  
حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

”... ہر ذرہ اپنا مخالف پار رکھنے والا  
ضد ذرہ رکھتا ہے... اور یہ غیر متعلق  
تخلیق ہمیں بتاتا ہے کہ جفت تخلیق  
(Pair Creation) اور جفت فنا  
(Pair Annihilation)، خلا  
(Vacuum) میں ہر وقت اور ہر  
مقام پر ہوتی رہتی ہے۔“ ۸



Professor Paul Dirac

## اضافیت زماں

آج زماں کی اضافیت (Relativity of Time) ایک ثابت شدہ سائنسی حقیقت بن چکی ہے۔ اس کا انکشاف بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت (Einstein's theory of relativity) کی بدولت ہوا۔ اس وقت تک لوگوں کو اس کا علم نہ تھا کہ زماں ایک اضافی تصور ہے، اور یہ ماحول کے مطابق تبدیل ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ عظیم سائنس دان البرٹ آئن سٹائن نے اس حقیقت کو نظریہ اضافیت سے ثابت کیا۔ اس نے ثابت کیا کہ وقت کا انحصار کمیت (Mass) اور اسراع (Velocity) پر ہے۔ تاریخ انسانی میں کسی دوسرے نے اس حقیقت کو اس واضح انداز میں پیش نہیں کیا۔

مگر ایک استثنا کے ساتھ قرآن نے وقت کے متعلق بتایا کہ یہ اضافی ہوتا ہے! کچھ آیات میں ایسے آتے ہیں:

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ، وَإِنْ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعْلَمُونَ ۝

”اور (یہ لوگ) تم سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔ اور بیشک تمہارے پروردگار کے نزدیک ایک روز تمہارا ہے حساب کے روز سے ہزار ہا برس کے برابر ہے۔“ (سورہ ابراہیم آیت ۴۵)



يَذِيرُ الْاِنْسَانَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يُعْرِجُ الْيَوْمَ فِي  
يَوْمٍ كَانَ بِمِقْدَارَةِ اَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعْدُونَ ۝  
”وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے۔ پھر وہ  
ایک روز جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگی۔  
اُس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا۔“ (سورۃ نجمہ، آیت ۵)  
تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ اِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ بِمِقْدَارَةِ  
خَمْسِينَ اَلْفِ سَنَةٍ ۝

جس کی طرف روح (الامین) اور فرشتے چڑھتے ہیں (اور) اُس  
روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔“

(سورۃ العنکبوت، آیت ۳)

کچھ آیات میں اشارہ دیا گیا ہے کہ مختلف لوگ ایک وقت کا اور اک مختلف طور پر  
کرتے ہیں اور یہ کہ بعض اوقات لوگ ایک بے حد مختصر وقت کو ایک بے حد لمبا وقت سمجھتے  
ہیں۔ درج ذیل آیت لوگوں کی قیامت میں کی گئی گفتگو کی ایک اچھی مثال ہے:

قُلْ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا الْيَوْمَ نَبْثُثُ  
اَوْ يَغْضُ يَوْمٍ فَسْئَلُ الْعَادِيْنَ ۝ قُلْ اِنْ لَبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا  
لَّوْ اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

”(خدا) پوچھے گا، کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ  
ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے  
پوچھ لیجیے۔ (خدا) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے،  
کاش تم جانتے ہو۔“ (سورۃ المؤمنون، آیات ۱۱۳-۱۱۴)

اضافیت زمان کے متعلق قرآن میں واضح انداز  
میں ۶۱۰ عیسوی میں بتایا گیا تھا، یہ ایک اور ثبوت  
ہے کہ قرآن ایک مقدس کتاب ہے۔



## بارش کا تناسب

قرآن میں بارش کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ زمین پر بارش ایک مقررہ پیمانے یا تناسب میں بھیجی جاتی ہے۔ اسے سورۃ زخرف میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً  
مَيْتًا كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ۝

اور جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا پھر

ہم نے اُس سے شہر مردہ کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح تم (لوہین سے)

نکالے جاؤ گے۔ (سورۃ زخرف: ۱۱)

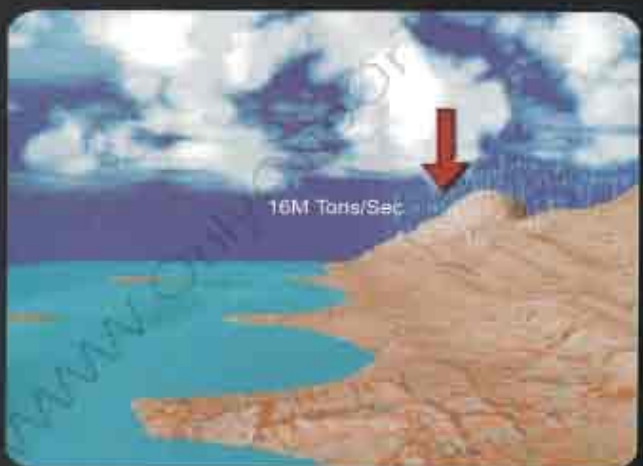
بارش کی اس مقررہ مقدار کو ایک بار پھر جدید تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف ایک سینکڑ میں زمین سے تقریباً ۱۰ اٹھین ٹن پانی بخارات کی صورت میں اوپر چلا جاتا ہے۔ یہ مقدار ایک سال میں تقریباً ۵۱۳ ٹریلین ٹن ہو جاتی ہے۔ یہ مقدار زمین پر ایک سال میں ہونے والی بارش کے مساوی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ پانی ”مقررہ پیمانہ“ پر ایک چکر کی صورت میں مسلسل گردش میں رہتا ہے۔ زمین پر زندگی، پانی کے اس چکر پر انحصار کر رہی ہے حتیٰ کہ اگر لوگ زمین پر موجود تمام دستیاب ذرائع استعمال کر لیں تب بھی وہ اس قابل نہ ہو سکیں گے کہ وہ مصنوعی طریقے سے پانی کے اس چکر کو دوبارہ بنائیں۔



حتیٰ کہ اس سارے عمل میں ایک بہت معمولی سا انحراف بھی زمین پر بہت بڑے ماحولیاتی توازن کے بگاڑ کا سبب بن سکتا ہے جو زمین پر زندگی کے اختتام کا باعث ہوگا۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا، اور بارش قرآن میں بتائی گئی مقررہ مقدار کے مطابق ہی ہر سال برستی رہتی ہے۔



ہر سال پانی کی مقدار جو زمین سے آبی ذخائر کی صورت میں اوپر اٹھتی ہے اور واپس بارش کی صورت میں زمین پر برقی ہے، یہ مقدار یکساں ہوتی ہے یعنی ۱۶ ٹریلین ان۔ اس مقدار کے بارے میں قرآن اعلان کرتا ہے کہ ”اور جس نے آسمان سے ایک مہینہ مقدار میں پانی نازل کیا۔“ اس مقدار کی یکسانیت زمین پر ماحولیاتی توازن اور اس کے نتیجے میں زندگی کی جاسکے لیے بہت ضروری ہے۔



## بارش کا بننا

بارش کیسے بنتی ہے؟ یہ سوال طویل عرصے تک معما بنا رہا، تا آنکہ موسمیاتی ریڈار ایجاد ہوا اور بارش کے بننے کے مختلف مراحل دریافت ہوئے۔

اس کے مطابق بارش بننے کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ اولاً، بارش کا ”خام مواد“ ہوا کے ساتھ اوپر اٹھتا ہے۔ اس کے بعد بادل بنتے ہیں، اور آخر میں بارش کے قطرے ظاہر ہوتے ہیں۔

قرآن میں بارش بننے کے عمل کے بارے میں بالکل یہی طریقہ بتایا گیا ہے۔ ایک آیت میں بارش بننے کے عمل کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

الَّٰلَہُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیْحَ فَتُثْبِتُ سَحَابًا مِّنْ حَبِطٍ مُّطَهَّرٍ  
السَّمَاءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُہٗ کِسْفًا مِّنَ الذَّوٰقِ یَخْرُجُ  
مِّنْ خِلَالِہٖ ۖ فَلَآ اَصَابَہٗ مِنْ یَّشَآءُ ۚ اِذَا هُمْ  
یَسْتَنْشِرُوْنَ ۝

”خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے نیچے سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔“ (سورہ روم: آیت ۴۸)

آئیے اب ہم مندرجہ بالا آیت میں بیان کردہ ان تین مراحل کا فنی طور پر مزید جائزہ لیتے ہیں۔

پہلا مرحلہ: ”خدا ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے۔“

سمندروں کی سطح پر جھاگ کے ذریعے لا تعداد ہوا کے بلبلے مسلسل بننے اور ٹوٹنے رہتے ہیں، اور اس طرح پانی کے ذرات اوپر آسمان کی جانب اٹھتے ہیں۔ یہ ذرات جو جھاگ کی کافی مقدار اپنے اندر رکھتے ہیں، ہوا کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور فضا میں اوپر اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ذرات ایروسول (Aerosols) کہلاتے ہیں، یہ آبی پسند سے (Water Traps) کا کام کرتے ہیں، اور خود کو آبی بخارات (جو سمندروں کی سطح سے چھوٹے چھوٹے قطرہوں کی صورت میں اوپر اٹھتے ہیں) کے گرو جمع کر کے بادل کے قطرے بناتے ہیں۔





اوپر کی تصویر میں پانی کے انتہائی چھوٹے قطرہوں کو ہوا میں لٹکتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ یہ بارش کے بننے کا پہلا مرحلہ ہے۔ اس کے بعد بننے والے بادلوں میں پانی کے ننھے ننھے قطرے ہوا میں محبوس ہو جائیں گے اور پھر بارش بننے کے لیے کثیف ہو جائیں گے۔ ان سارے مراحل کا تعلق قرآن میں بیان فرمادیا گیا ہے۔

**دوسرا مرحلہ:** ”... لہذا وہ بادل کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدا اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے۔“

بادل، ہوا میں موجود نمکیاتی قہموں (Salt Crystals) کے گرد آبی بخارات کے کثیف ہونے یا ہوا میں موجود گرد کے ذرات سے بننے ہیں۔ چونکہ ان بادلوں میں پانی کے قطرے انتہائی چھوٹے (0.01 سے لے کر 0.02 ملی میٹر قطر تک) ہوتے ہیں، اس لیے یہ بادل ہوا میں معلق ہو جاتے ہیں، اور آسمان پر پھیل جاتے ہیں۔ اس طرح آسمان بادلوں سے ڈھک جاتا ہے۔

**تیسرا مرحلہ:** ”... پھر تم دیکھتے ہو کہ میں اس کے سچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے۔“

پانی کے ننھے ذرات جو نمک کی قہموں اور گرد کے ذرات کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں، بڑے ہوتے جاتے ہیں اور بارش کے قطرے بننے لگتے ہیں، اس لیے یہ قطرے ہوا سے بھاری ہو کر بادلوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور زمین پر بارش کی صورت میں گرنے لگتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا بارش بننے کا ہر مرحلہ قرآن کی آیات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ مزید برآں ان مراحل کو بالکل صحیح ترتیب کے ساتھ واضح کیا گیا۔ زمین پر ہونے والے بہت سارے قدرتی مظاہر کی طرح خدا عزوجل نے اس مظہر کے لیے بھی صحیح ترین توضیح کی اور لوگوں کو اس کی سائنسی دریافت سے صدیوں پہلے یہ بات بتا دی۔

ایک اور آیت میں بارش کے بننے کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات فراہم

کی گئی ہیں:

الَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَرْجِي سَخَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ مِنْهُ لَمَّ يَجْعَلَهُ  
رُكُلًا مَّا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خَلِيلِهِ وَيُنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ  
مِنْ جُنَالٍ فِيهَا مِنْ مَرِّدٍ فَلْيَصِيبْ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ  
عَنْ مَنْ يَشَاءُ لِيُكَادَ سَنَا مَرْقَهُ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ۝

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا اسی بادلوں کو چلاتا ہے، پھر ان کو آہستہ  
میں ملا دیتا ہے، اور ان کو تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل  
سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (ادلوں کے)  
پیاز ہیں، ان سے اولے نازل کرتا ہے، تو جس پر چاہتا ہے اس کو  
برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے پٹا دیتا ہے۔ اور بادل میں جو  
بجلی ہوتی ہے اس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے بیٹائی کو) اچکے  
لیے جاتی ہے۔“ (سورۃ نور: آیت ۴۳)

بادلوں کی اقسام کا مطالعہ کرنے والے سائنس دان بارش برسانے والے بادلوں  
کی تشکیل کے متعلق حیران کن نتائج پر پہنچے۔ بارش برسانے والے بادل مخصوص مراحل اور  
نظاموں میں بنتے اور شکل پذیر ہوتے ہیں۔ کومولونیمبس (Cumulonimbus)، بارش  
برسانے والے بادلوں کی ایک قسم ہے، اس کی تشکیل کے مراحل مندرجہ ذیل ہیں:

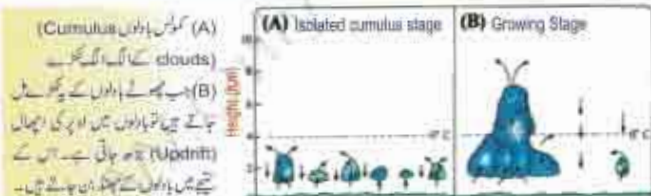
(۱) پہلے مرحلے میں ہوا کے ذریعے بادل ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں، اس لیے  
اس مرحلے کو Being Driven Along کا نام دیا گیا ہے۔

(۲) دوسرے مرحلے میں چھوٹے بادل (Cumulus Clouds) ہوا میں اڑتے ہوئے  
آپس میں ملتے جاتے اور بادل کے بڑے ٹکڑے بناتے ہیں۔





ہاں! سب یوں ہی ہوئے تھے جس تو ان میں اوپر کی جانب اجمال جاتی ہے۔ جس کے باعث یہ سب دہرا ہو رہے تھے ہیں۔ ہاں کی اوپر کی جانب اس دہراؤ کی کئی جگہ ہیں یہ لکھا کہ کھانا غلط ہے صوفی میں جانتے تھے ہیں، جہاں پانی کے قطرے اور ڈالے جتے تھے ہیں، اور اپنے گھر میں دھوا شروں کو کہتے ہیں، جب پانی اور ڈالے کے یہ قطرے سولے ہو کر گھر میں جا کر کھاتے ہو جاتی ہو جاتے ہیں کہ ہاںوں کو کا سہارا منتقل ہو جائے تو یہ ہاںوں سے پاشن اور ڈالے نتیجہ کی صورت میں پیچھے کر کے آگ جاتے ہیں۔ خدا کے صوفیوں پہلے سورہ نور کی آیت ۳۳ میں یہ نصیحت پلاس بیان کر دی کہ تم لوگو! تم میں کھانا نہ پلائے اور ان کو کہہ دے کہ تم لوگو! تم لوگو! کہ تم لوگو! کہ تم لوگو! کہ تم لوگو!



یہ بادل بڑے ہو کر تیسرے مرحلے میں مزید اوپر کی جانب بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔  
 بادلوں کے سروں کے مقابلے میں اندر کی جانب اوپر بڑھنے کی رفتار زیادہ ہوتی ہے۔ اسی  
 وجہ سے بادل عمومی طور پر بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے جیسے بادلوں کا ڈھیر  
 پڑاؤ۔ بادلوں کا یہ عمومی پھیلاؤ انھیں فضا کے نسبتاً ٹھنڈے حصے میں لے جاتا ہے جہاں  
 بارش کے قطرے اور اوالے بنتے ہیں اور بڑے ہوتے رہتے ہیں۔ یہ قطرے بڑے ہو کر  
 جب اتنے وزنی ہو جاتے ہیں کہ بادل انھیں سہار نہ سکے تو یہ زمین کی طرف بارش یا ٹہال  
 باری یا برف باری وغیرہ کی صورت میں برسنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۰

یاد رہے کہ ماہرین موسمیات یا دلوں کی ساخت، بننے کے عمل اور پرست کی ساری تفصیلات سے جدید آلات مثلاً ہوائی جہاز، مصنوعی سیارے، کمپیوٹر کی بدولت حال ہی میں واقف ہوئے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ خدا نے ہمیں وہ معلومات دیں جو ۱۴۰۰ سال پہلے جانی نہیں جاسکتی تھیں۔



مجھ نے بادلوں (Cumulus) کو جوائے کرتی ہے اور  
باسمِ ملا جی ہے۔ جیسا کہ آیت میں بیان ہوتا ہے: ”الغمام  
ہے جو دھواں کو چلاتا ہے تو وہ بادلوں کو لاتنی جیسا چھوڑ دیا  
بادلوں کو جس طرح سے چاہتا ہے“

## بار آور ہوائیں

قرآن کی ایک آیت میں ہواؤں کی "بار آور" خصوصیات اور اس کے نتیجے میں بارش کے بننے کے بارے میں یوں بیان ہے:

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ  
وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۝

"اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی  
(ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں اور ہم ہی تم کو اس کا پانی  
پلاتے ہیں اور تم کو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔" (الحجرات: ۲۲)

اس آیت میں نشاندہی کی گئی کہ بارش بننے کے عمل میں پہلا مرحلہ ہوائیں  
ہیں۔ بیسویں صدی عیسوی تک ہواؤں اور بارش میں یہ تعلق سمجھا جاتا تھا، کہ ہوائیں بادلوں  
کو چلاتی ہیں مگر جدید موسمیاتی دریافتوں نے ہواؤں کے بارش برسانے کے عمل میں ان کا  
"بار آور"ی کا کردار دکھا دیا۔

ہواؤں کا بار آورانہ کردار مندرجہ ذیل انداز میں کام کرتا ہے:

پانی کے جھاگ بننے کے عمل کی وجہ سے سمندروں کی سطح پر لا تعداد بلبلے بننے  
رہتے ہیں۔ جس گہری یہ بلبلے چھٹتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں ننھے ننھے  
ذرات، جن کی موٹائی تقریباً ایک ملی میٹر کا سوواں حصہ ہوتی ہے، اوپر ہوا میں  
اچھل جاتے ہیں۔ یہ ذرات، جنہیں "ایروسول (Aerosols)" کہتے  
ہیں، ہوا کی وجہ سے زمین سے اڑی ہوئی گرد کے ساتھ مل جاتے ہیں، اور فضا  
کی اوپر کی تہوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہوائے ذریعے بلندی پر پہنچے ہوئے یہ  
ذرات یہاں موجود پانی کے بخارات کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ پانی کے  
بخارات ان ذرات کے ارد گرد جمع ہونا اور کثیف ہونا شروع ہو جاتے ہیں،  
اور پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرہوں کی شکل اختیار کرنے لگتے ہیں۔ یہ  
چھوٹے چھوٹے قطرے پہلے آپس میں مل کر بادلوں کی شکل اختیار کرتے  
ہیں، اور پھر زمین پر بارش کی صورت میں گرنے لگ جاتے ہیں۔

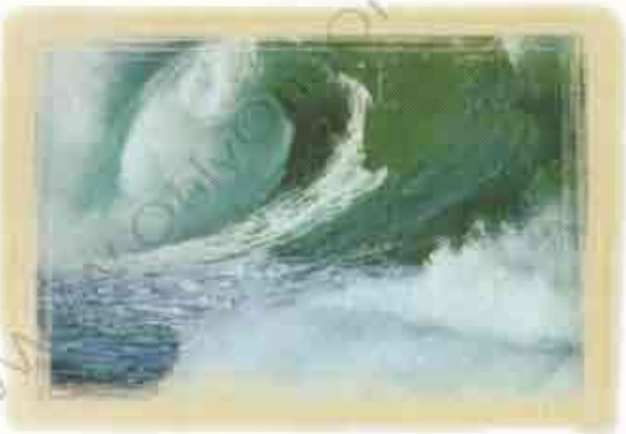
ہوائیں فضا میں تیرتے ہوئے پانی کے بخارات کو ان ذرات کے ساتھ جنمیں یہ  
سمندروں سے لاتی ہیں، "بار آور" بنا کر بارش کے بادلوں کے بننے کا سبب بنتی ہیں۔

اگر ہواؤں میں یہ خاصیت نہ ہوتی تو اوپر کی فضا میں پانی کے ننھے قطرے نہ بنتے، اور پھر نہ بارش کا کوئی وجود ہوتا۔

یہاں سب سے ضروری نقطہ یہ ہے کہ بارش کے لیے ہواؤں کے اس لازمی کردار کے بارے میں حدیثوں پہلے قرآن کی ایک آیت میں بتا دیا گیا، ایک ایسے وقت جب لوگ قدرتی مظاہر کے متعلق بہت کم جانتے تھے.....



اوپر والی تصویر میں ایک لہر کے بننے کے مختلف مراحل دکھائے گئے ہیں۔ سمندر میں لہریں پانی کی سطح پر چلنے والی ہواؤں کی وجہ سے بنتی ہیں۔ ہوا کی مدد سے پانی کے ذرات ایک دائرے کی شکل میں حرکت کرتے گتے ہیں۔ دائرے میں یہ حرکات جلدی کیے بعد دیگرے لہروں کے وجود کا ذریعہ بن جاتی ہیں، اور ان لہروں کی وجہ سے بننے والے پانیے ہوا میں شامل ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ بارش کے بننے کے عمل میں یہ پہلا مرحلہ ہے اس عمل کو آیت میں ایسے ظاہر کیا گیا ہے: "اور ہم ہی پانی سے لہریں ہوتی ہواؤں کو بھیجتے ہیں اور پھر ہم ہی آسمانوں سے پانی برساتے ہیں۔"





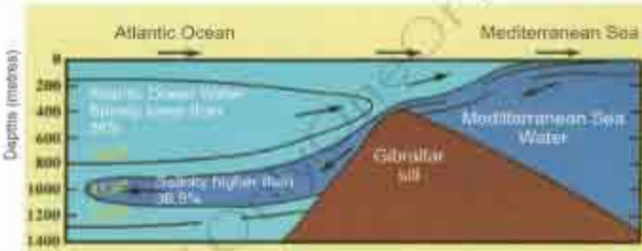
## سمندر جو آپس میں نہیں ملتے

سمندروں کی ایک خاصیت، جو حال ہی میں دریافت ہوئی ہے، اس کا ذکر قرآن کی ایک آیت میں کچھ اس طرح آیا ہے:

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ ۚ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْۙ  
 ”اُسی نے دو دریاؤں کے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں  
 ایک آ رہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔“

(سورہ زمر، آیت ۱۹-۲۰)

ماہرین بحریات نے سمندروں کی اس خاصیت (کہ وہ ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں مگر آپس میں ملتے نہیں) کے بارے میں حال ہی میں دریافت کیا ہے۔ ایک طبعی طاقت جو ”سطحی تناؤ“ (Surface Tension) کہلاتی ہے، کی وجہ سے قریبی سمندروں کے پانی کی باہم آمیزش نہیں ہوتی۔ ان کے پانیوں کی کثافت میں فرق کی وجہ سے، سطحی تناؤ ان کو آپس میں ملنے نہیں دیتا گویا ان کے درمیان ایک باریک دیوار تان دی گئی ہو۔  
 یہاں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ایک ایسے دور میں جب لوگوں کو طبعیات یا سطحی تناؤ یا سمندری علوم کے بارے میں کچھ معلومات نہ تھیں، اس حقیقت کو قرآن میں ظاہر کر دیا گیا تھا۔



بحرالکحل اور بحیرہ روم میں اونچی لہریں، طاقتور موجیں اور موجزد پانی جاتی ہیں۔ جنس الطارق کے مقام پر بحیرہ روم کا پانی بحیرہ الکاہل میں شامل ہوتا ہے لیکن ان کا درجہ حرارت، شہابی اور کثافت جہل نہیں ہوتے، کیونکہ ان کے درمیان ایک پردہ ہوتا ہے جو انہیں علیحدہ رکھتا ہے۔





معمولی سیارے سے جیل الطارق کی کٹی تصویر

## سمندروں کی تاریکی اور اندرونی لہریں

اَوْ كَيْفَ ظَلَمْتُ فَنِي يَخْرُجُ لَحْيِي يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ  
فَوْقِهِ سَحَابٌ \* ظَلَمْتُ لِنَفْسِي فَوْقَ بَعْضِهَا إِذَا أَخْرَجْتُ مِنْهُ  
لَمْ يَكْتَدِرْهَا \* وَمَنْ لَّمْ يَحْمِلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا قَمَالَهُ مِّنْ نُورِهِ  
”یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے حبیق میں  
اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور  
اس کے اوپر بادل ہوں غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر  
ایک (چھایا ہوا) جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے، اور جس کو خدا  
روشنی دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)۔“

(سورہ نور آیت ۴۰)

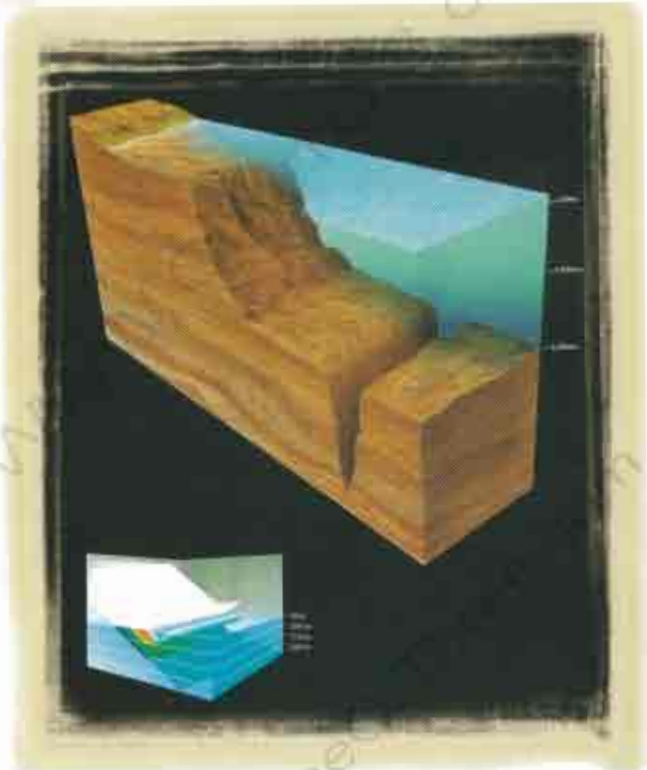
ایک کتاب میں جس کا نام ”سمندر (Oceans)“ ہے، گہرے سمندروں کے  
عمومی ماحول کو یوں بیان کیا گیا ہے:

”گہرے سمندروں اور بحروں میں ۲۰۰ میٹر اور اس سے نیچے تاریکی  
ہوتی ہے۔ اتنی گہرائی میں روشنی تقریباً بالکل نہیں ہوتی۔ تاہم ۱۰۰۰  
میٹر کی گہرائی میں تو کسی قسم کی روشنی کا وجود نہیں ہوتا۔“

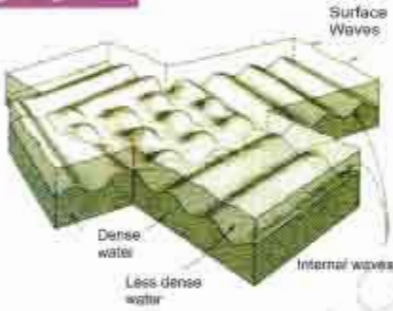
آج ہم سمندروں کے عمومی ساخت، اس میں پائے جانے والے جانداروں  
کے خواص، اس کی ممکنہ اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں پانی کی مقدار، ان کی سطح کے رقبے  
اور ان کی گہرائی کے بارے میں جانتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے بنائی گئی آبدوزوں  
اور خصوصی آلات نے سائنس دانوں کو اس قابل کر دیا کہ وہ یہ معلومات مہیا کر سکیں۔

انسان اس قابل نہیں کہ وہ خاص قسم کے آلات کے بغیر چالیس میٹر کی گہرائی  
سے زیادہ غوطہ لگا سکے۔ وہ ان آلات کے بغیر سمندروں کے گہرے اور تاریک حصوں، مثلاً  
۲۰۰ میٹر کی گہرائی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان وجوہ کی وجہ سے سائنس دان اس جدید دور میں  
اس قابل ہو سکے ہیں کہ سمندروں کے بارے میں مفصل معلومات دریافت کر سکیں۔ مگر سورہ  
نور میں ”گہرے سمندر میں تاریکی“ کا ذکر ۱۴۰۰ سال پہلے ہو چکا تھا۔ قرآن کا یہ یقینی طور  
پر معجزہ ہے کہ یہ حقائق ایک ایسے وقت فراہم کیے گئے جب آدمی کے پاس ایسے آلات  
 دستیاب نہ تھے کہ وہ سمندر میں اتنی گہرائیوں تک پہنچ پاتا۔

مزید برآں سورہ نور کی مذکور بالا آیت نمبر ۳۰، ۳۱ جس پر لہر چلی آتی ہو اور اس کے اوپر اوندھیر (آرشی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو۔ ہماری توجہ قرآن کے ایک اور جہزے کی طرف دلاتی ہے۔



جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے کی جانے والی پیمائشوں کے مطابق سمندر کی سطح سے سورج کی روشنی کا ۳۰ سے ۴۰ فی صد حصہ واپس منعکس ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد روشنی کے طیف (Light Spectrum) کے تقریباً تمام رنگ سوائے نیلے رنگ کے، پہلے ۲۰۰ میٹر کے فاصلے تک یکے بعد دیگرے جذب ہو جاتے ہیں (پچھلی تصویر)۔ ایک جزیرہ صحرے کی چٹانی جسم کی روشنی بھی انہیں چاہتی (بڑی تصویر)۔ اس سائنسی حقیقت کی بناء پر قرآن نے ۱۴۰۰ سال پہلے سورہ نور کی آیت ۴۰ میں اشارہ کر دیا تھا۔



یہ تصویر اندرونی لہروں میں پانی کی دو مختلف کثافت والی تہوں کے مقام اتصال کی نشاندہی کرتی ہے۔ نیچے والی تہ اور پانی کی یہ نسبت زیادہ کثیف ہوتی ہے۔ اس بات کی حقیقت کی طرف قرآن کی سورہ نور کی آیت ۴۰ میں ۱۳ سطروں پہلے اعلان کر دیا گیا تھا۔ سورہ نور کے سائنس دانوں نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔

”سائنس دانوں نے حال ہی میں دریافت کیا کہ سمندروں میں اندرونی لہریں بھی ہوتی ہیں جو مختلف کثافت کی تہوں کے درمیان کثافت کے اوپر واقع ہوتی ہیں۔ یہ اندرونی لہریں سمندروں اور بحروں کے گہرے پانیوں کو ڈھانپ لیتی ہیں، کیونکہ گہرا پانی اپنے اوپر والے پانی کی بہ نسبت زیادہ کثیف ہوتا ہے۔ یہ اندرونی لہریں سطحی لہروں کی مانند عمل کرتی ہیں۔ یہ سطح والی لہروں کی طرح ٹوٹ سکتی ہیں۔ اندرونی لہریں انسانی آنکھ سے نظر نہیں آسکتیں، لیکن ان کا سراغ، ایک خاص مقام پر درجہ حرارت اور نمکیاتی تبدیلیوں کی مدد سے لگایا جاسکتا ہے۔“ ۱۳

قرآن حکیم کا بیان اوپر کی تفصیل کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ بغیر تحقیق کے آدمی کو صرف پانی کی سطح کی لہریں نظر آسکتی ہیں۔ اس کے لیے ناممکن ہے کہ وہ سمندر کے اندر کی لہروں کو دیکھ سکے۔ مگر سورہ نور میں خدا ہماری توجہ ایک اور قسم کی لہر کی جانب مبذول کراتا ہے، جو سمندروں کی گہرائیوں میں پانی جاتی ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ جس حقیقت کو سائنس دانوں نے دور جدید میں دریافت کیا ہے، ایک بار پھر باور کراتی ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔



## ہماری حرکات قابو میں رکھنے والا حصہ

كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِلَةٍ ۝  
 لکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ گھسیٹیں گے،  
 یعنی اس جو لے خطا کار کی پیشانی کے بال۔“

(سورۃ اعلق، آیت ۱۵-۱۶)

اوپر کی آیت میں استعارہ ”کیسی چوٹی، جھوٹی گنہگار“ بہت دلچسپ ہے۔ حالیہ عشروں میں کی گئی تحقیقات سے پتا چلا ہے کہ دماغ کے اگلے سے پہلا حصہ جو کھوپڑی کے سامنے کے حصے میں ہوتا ہے، دماغ کے مخصوص افعال کا ذمے دار ہوتا ہے۔ سائنس دانوں نے دماغ کے اس حصے کے افعال گزشتہ ساٹھ سال میں دریافت کیے ہیں، جن کی نشاندہی قرآن نے چودہ سو سال پہلے کر دی۔ اگر ہم انسانی کھوپڑی کے اندر سر کے سامنے کی جانب سے دیکھیں تو دماغ کا سامنے کا حصہ نظر آئے گا۔ ایک کتاب، جس کا نام Essentials of Anatomy and Physiology ہے، میں دماغ کے اس حصے کے کاموں کے متعلق کی گئی جدید تحقیقات کے بارے میں یوں بیان ہے:

انسانی دماغ کے اندر انسانی حرکات کی منصوبہ بندی اور ابتدا کے لیے جس ترغیب اور دور بینی کی ضرورت ہوتی ہے وہ دماغ کے اگلے گوشے (lobes) میں اس کے سامنے کے حصے میں ہوتی ہے۔ یہ حصہ ہے ایسوی البشن کوورٹکس..... ۱۳

اس کتاب میں آگے درج ہے:

تحریک سے تعلق کی بنا پر دماغ کے سامنے سے پہلے کا حصہ جارجانہ جذبات کا بھی مرکز خیال کیا جاتا ہے... ۱۴

اس سے ثابت ہوا کہ دماغ کا یہ حصہ، منصوبہ بندی، تحریک اور اچھے اور برے رویے کا ذمے دار ہوتا ہے، اور دروغ گوئی اور صاف گوئی کا بھی ذمے دار ہوتا ہے۔ یہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ بیان ”جھوٹی گنہگار چوٹی“ مکمل طور پر اوپر کی تشریحات سے تعلق رکھتی ہے۔ سائنس دانوں نے اس حقیقت کے بارے میں حال ہی میں جانا ہے مگر خدا نے قرآن میں صدیوں پہلے بتا دیا تھا۔



## انسان کی پیدائش

قرآن میں لوگوں کو ہدایت کی جانب دعوت دینے کے لیے کافی مضامین درج ہیں۔ کبھی آسمان، کبھی حیوان اور کبھی پلوے، خدا کی طرف سے انسانوں کے لیے ثبوت کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ قرآن کی بہت سی آیات میں انسانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی تخلیق پر غور و فکر کریں۔ ان کو اکثر یاد دلایا گیا کہ اس دنیا میں انسان کیسے آیا، وہ کن مراحل سے گزرا اور اس کی ذات (جوہر) کیا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَكُمْ فَلَوْلَا تَصَدَّقُونَ ﴿۵۱﴾ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ ﴿۵۲﴾  
وَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَ ؕ إِنَّكُمْ لَخَالِقُونَ ﴿۵۳﴾

”ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا ہے تو تم (دوبارہ اللہ کو) کیوں  
چشمیں سمجھتے؟ (کھو تو کہ جس (نطفہ) کو تم (عورتوں کے رحم میں)  
ڈالتے ہو، کیا تم اس (سے انسان) کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟“

(سورہ البقرہ آیات ۵۱-۵۳)

انسان کی تخلیق اور اس کے عجزانہ پہلو پر قرآن کی بہت سی آیات میں زور دیا گیا ہے۔ ان آیات میں کچھ معلومات اتنی مفصل ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے ایک آدمی کے لیے ان کا سمجھنا ممکن نہ تھا۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- ۱) آدمی کی تخلیق سادے مادہ تولید (Semen) سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے کچھ حصے، کرم منوی (Sperm) سے ہوتی ہے۔
- ۲) نر کی بدولت بچے کی جنس کا تعین ہوتا ہے۔
- ۳) انسانی جنین (Embryo) رحم مادر کے ساتھ ایک جوتک کی مانند چمٹ جاتا ہے۔
- ۴) یہ جنین رحم مادر کے تین تاریک حصوں میں پروان چڑھتا ہے۔

جس دور میں قرآن نازل ہوا، اس وقت چینی کلور پر لوگ جانتے تھے کہ پیدائش کے لیے بیادی جزو کا تعلق یہ وقت مباشرت مرد سے خارج ہونے والے مادہ تولید سے ہے اور نواہ کے بچے کی پیدائش ایک مشاہداتی حقیقت تھی، جس کے لیے مزید حقیقات کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم ورثہ والا معلومات اس دور کے لوگوں کی فہم کی سطح سے بہت اوپر تھیں۔

آئیے، اب ہم ان کو نیکے بعد دیگرے جانچتے ہیں۔



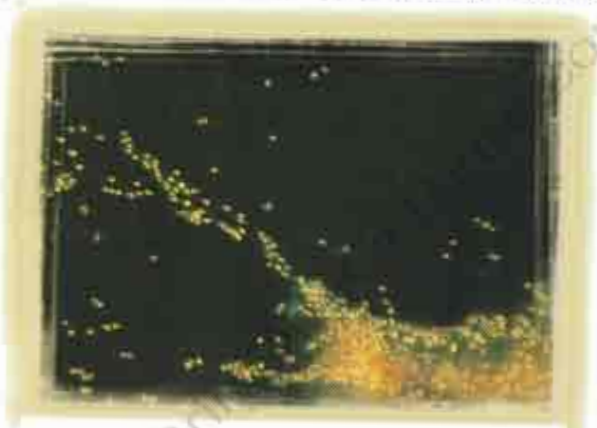
## قطرہ مادہ تولید

مباشرت کے دوران مرد سے تقریباً دو سو بیچاس ملین کرم منوی (Sperms) خارج ہوتے ہیں۔ یہ کرم ہاں کے جسم میں ایک گھنٹہ سفر کرتے ہیں، حتیٰ کہ بیضہ (Ovum) تک پہنچتے ہیں۔ ان ۲۵۰ ملین میں سے صرف ایک ہزار اس سفر میں کامیاب ہو پاتے ہیں۔ اس پانچ منٹ کے سفر کے بعد بیضہ جس کا حجم تقریباً تنک کے ایک ذرے کے نصف کے برابر ہوتا ہے، صرف ایک کرم منی کو اپنے اندر آنے دیتا ہے۔ چنانچہ آدمی کا جو ہر اس کا سارا مادہ تولید نہیں، بلکہ اس کا ایک انتہائی چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے۔ یہ قرآن میں ارشاد ہے:

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُنْ نَطْفَةً مِنْ مَنِيِّ امْرِئٍ ۝

”کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی پھوٹ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ تھا۔“ (سورہ التیس، آیت ۳۷-۳۸)

قرآن ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ آدمی سارے مادہ تولید سے نہیں بنا بلکہ اس کے ایک چھوٹے سے حصے سے وجود میں لایا گیا اس بیان میں اس بات پر خصوصی زور دیا گیا جو جدید سائنس سے دریافت ہوا قرآن کا بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بیان الہامی ہے۔



اس تصویر میں رحم ماور میں داخل ہونے والے کرم منوی (Sperms) دیکھے جاسکتے ہیں۔ مرد سے خارج ہونے والے دو سو بیچاس ملین کرم منوی میں سے صرف چند ایک ہی (Ovum) تک پہنچ پاتے ہیں۔ وہ کرم جو بیضہ کی پاد آدمی کا سبب بنتا ہے، ان ہزار کرم منوی میں سے ایک ہوتا ہے، جو اپنے آپ کو پہنچا پاتے ہیں۔ انسان سارے مادہ تولید سے وجود میں نہیں آتا بلکہ اس کے ایک حصے سے وجود میں آتا ہے۔ قرآن میں بیان کیا گیا کہ ”کیا وہ اس مادہ کا قطرہ نہیں تھا جو پھوٹ اٹھا؟“

## مادہ تولید کا آمیزہ

سیال جو مادہ تولید کہلاتا ہے اور جس میں کرم منوی پائے جاتے ہیں، صرف کرم منویہ پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہ مختلف مانع جات کا آمیزہ ہوتا ہے۔ ان مانع جات کے مختلف کام ہوتے ہیں مثلاً اس شکر کی فراہمی جو کرم منویہ کے لیے توانائی مہیا کرتی ہے، رحم مادر کی دہانے پر تیزابیت کو بے اثر کرنا اور کرم منویہ کی آسان حرکت کے لیے مناسب ماحول تیار کرنا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جب قرآن میں مادہ تولید کا ذکر آتا ہے تو مادہ تولید کا ذکر آمیزے کے طور پر کیا جاتا ہے اور آج کی جدید سائنس بھی یہی بات ہمیں بتاتی ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اِسْتِجَاجٍ ۚ لَّيْسَ لَهُ كِبٰرٌ ۙ سَمِيعًا ۙ نَصِيرًا ۝

”ہم نے انسان کو مختلف گروہ سے پیدا کیا تا اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سننا، سمجھنا، دیکھنا۔“  
(سورۃ الرحمہ آیت ۴)

ایک دوسری آیت میں مادہ تولید کا ذکر پھر آمیزے کے طور پر کیا ہے، اور اس بات پر زور دیا گیا کہ انسان کو اس آمیزے کے ”نچوڑ“ سے تخلیق کیا گیا ہے:

الَّذِي اَخْرَجَ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقًا ۖ وَّ بَدَا خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلًا مِنْ نُسْلَةٍ ۚ مِنْ مَّاءٍ مَهِينٍ ۝  
جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا، اور انسان کی یہ آتش کو مٹی سے شروع کیا۔ پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پائی سے پیدا کی۔“  
(سورۃ المجدہ آیت ۸-۹)

عربی لفظ ”نسلۃ“ جس کا یہاں پر ترجمہ ”نچوڑ“ کیا گیا ہے، کا مطلب کسی چیز کا ضروری یا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ کسی بھی طرح اگر اس کے معنی پر غور کیا جائے تو اس کا مطلب ”کل کا جزو“ ہی ثابت کرتا ہے کہ قرآن

مالک کل کا کام ہے جو انسان کی تخلیق کو اس کی انتہائی گہرائی تک جانتا ہے۔



## بچے کی جنس

آج تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ بچے کی جنس کا تعین ماں کے خلیے کرتے ہیں۔ یا کم از کم اس کا یقین تھا کہ جنس کا تعین نر اور مادہ دونوں قسم کے خلیے کرتے ہیں۔ لیکن قرآن میں ہمیں منفرد قسم کی معلومات فراہم ہوتی ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے کی مردانہ یا نسوانی خصوصیات مادہ تولید کے ایک قطرے سے تخلیق کی جاتی ہیں۔

وَاللَّهُ خَلَقَ الرُّوحَ جِینَ الذَّکَرِ وَالْأُنثٰی ۝ مِنْ نَّطْفَةٍ اِذَا  
نَمَرُوۡا

اور یہ کہ وہی نر اور مادہ (قسم کے نیاوان) پیدا کرتا ہے، (یعنی)  
نطفے سے (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔

(سورہ نجم آیت ۴۵-۴۶)

جینیاتی (Genetic) اور سالماتی حیاتیات (Molecular Biology) کی جدید تحقیقات نے قرآن کی فراہم کردہ ان معلومات کی تصدیق سائنسی طور پر کر دی ہے۔ یہ جان لیا گیا کہ مرد کے کرم منی کے خلیے ہی جنس کا تعین کرتے ہیں، اور عورت کا اس عمل میں کوئی کردار نہیں ہوتا۔

کروموسومز (Chromosomes) جنس کے تعین کا خاص عامل ہے۔ ۴۶ کروموسومز میں سے دو ایک انسان کی جنس کا تعین کرتے ہیں، اور یہ ایکس کروموسومز کہلاتے ہیں۔ یہ دو کروموسومز، مرد میں ایکس وائی "XY" اور عورت میں ایکس ایکس "XX" کہلائے جاتے ہیں، کیوں کہ ان کروموسومز کی شکل انگریزی کے ان حروف سے ملتی ہے۔ وائی کروموسومز میں مردانہ پن کے جینز ہوتے ہیں جبکہ ایکس کروموسومز میں زنانہ خصوصیات والے جینز ہوتے ہیں۔



قرآن میں کہا گیا ہے کہ نسوانیت اور مردانگی "پکائے گئے مادہ تولید کے ایک قطرے سے تخلیق کیے گئے۔ مگر تقریباً اور جدید تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ نسوانی جنس کے تعین میں ماں کے خلیوں کا کردار ہوتا ہے۔ قرآن میں یہی کہ اس اطلاع کی تصدیق سائنس نے بیسویں صدی میں کی۔ انسان کی تخلیق کے بارے میں یہ اور اس قسم کی دوسری تفصیلی قرآن میں مددگار ہیں پہلے بیان کی گئیں۔



وائی کروموسوم (Y Chromosomes) مردانگی اور ایکس کروموسوم (X Chromosomes) نسوانیت کی خصوصیات لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ماں کے بیجے (Ovum) میں صرف ایکس کروموسوم ہوتے ہیں، جو نسوانی خصوصیات رکھتے ہیں۔ باپ کی جانب سے آنے والے کرم منوی (Sperms) میں صرف ایکس یا صرف وائی خصوصیات رکھنے والے کروموسوم ہوتے ہیں۔ اس لیے بچے کی جنس کا تعین کرم منوی کے طے پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ ایکس یا وائی کروموسوم میں سے کون سا کروموسوم رکھنے والا ہے۔ نیچے کی یاد آوری کا سبب بنتا ہے۔ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے کہ بچے کی جنس کا تعین کرنے والا عنصر باپ کا مادہ تولید ہوتا ہے۔ یہ حقیقت کہ باپ قرآن کا نزول ہوا معلوم نہیں تھی۔ یہ بات اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔

میں انسان بننے کا عمل ان کروموسومز میں سے کسی ایک کے باہم ملاپ سے وجود میں آتا ہے، جو مرد اور عورت میں جوڑوں کی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ عورت میں جنسی خلیوں کے دوؤں حصے، جو بیض بننے (Ovulation) کے دوران دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، ایکس کروموسومز اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ دوسری جانب مرد کے جنسی خلیے دو مختلف قسم کے کرم منوی بناتے ہیں، جن میں سے ایک میں ایکس (X) اور دوسرے میں وائی (Y) کروموسومز پائے جاتے ہیں۔ اگر عورت کی جانب سے ایک ایکس کروموسوم، مرد کے اس ایک کرم منوی کے ساتھ مل جائے جو اپنے اندر ایکس (X) کروموسوم رکھتا ہے تو بچے کی جنس مادہ ہوگی، اور اگر یہ اس کرم منوی سے مل جائے جو وائی (Y) کروموسوم رکھتا ہے تو بچے کی جنس مردی ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں مرد کے کروموسومز ہی ایک بچے کی جنس کا تعین، عورت کے بیجے کے ساتھ مل کر کرتے ہیں۔

جینیات سے پہلے بیسویں صدی تک ان عوامل کے بارے میں کچھ واقفیت نہ تھی۔ اس کے علاوہ بہت سارے معاشروں میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ عورت کا بدن آنے والے بچے کی جنس کا تعین کرتا ہے۔ اسی لیے عورتوں کو بچوں کی پیدائش پر مطعون و ملامت کیا جاتا تھا۔ تیرہ صدیاں پہلے جینز (Genes) دریافت نہیں ہوئے تھے، مگر قرآن میں وہ معلومات فراہم کر دی گئیں جو ان اوہام کی تردید کرتی ہیں، اور بتاتی ہیں کہ جنس کے تعین کا آغاز عورت سے نہیں، بلکہ مرد سے خارج ہونے والے مادہ تولید سے ہوتا ہے۔

## رحم مادر سے چمٹنے والا لوتھڑا

اگر ہم قرآن میں انسان کی تخلیق کے بارے میں بیان کردہ حقائق کا جائزہ لیتے جائیں تو نئے سائنسی معجزات آشکارا ہوتے جائیں گے۔

جب مرد کا کرم منوی عورت کے پیسے کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو ہونے والے بچے کا جوہر بن جاتا ہے۔ یہ واحد خلیہ جو جفتہ (Zygote) کہلاتا ہے، اب فوراً تقسیم ورتقسیم ہو کر بڑھنا شروع کر دے گا، اور بالآخر "گوشت کا لوتھڑا" بن جائے گا، جو تین کہلائے گا۔ بلاشبہ یہ خروبین کی مدد ہی سے دیکھا جاسکے گا۔

یہ جنین اپنی نشو و نما کا وقت فصول نہیں گزارتا۔ یہ رحم مادر کی دیوار کے ساتھ پودوں کی جڑوں کی مانند چٹ جاتا ہے۔ یوں جنین، ماں کے بدن سے اپنی پرورش کے لیے ضروری اجزاء حاصل کرتا ہے۔ ۱۶

یہاں اس مرحلے پر قرآن کا ایک نمایاں معجزہ نظر آتا ہے۔ رحم مادر میں پرورش پانے والے جنین کا حوالہ دیتے ہوئے خدا قرآن میں لفظ "علیٰ" استعمال کرتا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ ۝ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝

"(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو)

پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پٹلی سے بنایا۔ پڑھو اور تمہارا

پروردگار بڑا کریم ہے۔" (سورہ علق، آیت ۳)

عربی میں لفظ "علیٰ" کا مطلب ہے "وہ چیز جو کسی جگہ سے چٹ جاتی ہے۔" لغوی معنوں میں یہ لفظ اسکی جوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو بدن کے ساتھ خون چوستے کے لیے چٹ جاتی ہیں۔

یعنی طود پر رحم مادر میں پرورش پانے والے جنین کیلئے انتہائی مناسب لفظ کا استعمال ایک بار پھر ثابت کرتا ہے کہ قرآن خدا کی وحی ہے جو سارے عالموں کا بادشاہ اور رب ہے۔



اپنی پرورش کے پہلے مرحلے میں بچہ رحم مادر میں ایک ذائقہ مند (Zygote) کی شکل میں ہے، جو رحم مادر کی دیوار کے ساتھ فطرت کے حوالے سے لیے چٹ جاتا ہے۔ اس قسم میں ایک ذائقہ مند دیکھا گیا ہے، جو گوشت کے ایک لوتھڑے کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ یہ معلومات جو جدید طبیات کی مدد سے دریافت ہوئی ہیں، انجوائی طور پر قرآن میں چودہ صدیاں پہلے لفظ "علیٰ" سے ظاہر کی گئیں، جس کا مطلب ہے "ایک چیز جو کسی جگہ سے چٹ جاتی ہے" اور یہ لفظ عام طور پر جوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بدن سے خون پختے کے لیے چٹ جاتی ہیں۔



## پٹھوں (گوشت) کا ہڈیوں کے اوپر چڑھنا

قرآن حکیم میں فراہم کی گئی معلومات کا ایک اور اہم جزو رحم مادر میں انسان کی نشوونما ہے۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ رحم مادر میں پہلے ہڈیاں بنتی ہیں اور اس کے بعد گوشت پانچھے، جو ہڈیوں کے اوپر لپیٹ دیے جاتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَلَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا مِنْهَا مُنْقَلَبًا فَعَرَسْنَا نُفُوسَ الْإِنْسَانِ فِي أَرْحَامِهِمْ ۝ ثُمَّ انشأهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خالص سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک منقبوہ (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا رکھا۔ پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت (پوس) چڑھایا۔ پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا۔ تو خدا سب سے بختر بنانے والا ہے بڑا پادشاه ہے۔

(سورۃ المؤمنون: ۱۲-۱۳)

جینیات (Embryology) سائنس کی وہ شاخ ہے جو رحم مادر میں جنین کا مطالعہ کرتی ہے۔ تقریباً حالیہ دور تک اس علم کے ماہرین کا خیال تھا کہ جنین کا گوشت اور ہڈیاں ایک ہی وقت میں بنتے ہیں۔ اس وجہ سے کافی طویل عرصے تک لوگوں کا خیال تھا کہ یہ آیات سائنس سے متصادم ہیں، لیکن نئی ٹیکنالوجی کی پیش قدمی سے ہونے والی ترقی یافتہ خوردبینی تحقیقات نے ثابت کر دیا کہ قرآن کا یہ انکشاف لفظ بہ لفظ صحیح ہے۔

خوردبینی سطح پر ان مشاہدات نے دکھا دیا کہ اندرون رحم مادر بچے کی نشوونما بالکل اسی طریقے سے ہوتی ہے، جیسے کہ ان آیات میں بتایا گیا ہے۔ پہلے جنین کی کرنی ٹماہڈی تبدیل ہو کر ہڈی بننے لگتی ہے۔ اس کے بعد ہڈیوں کے گرد موجود بافتوں میں سے مخصوص عضلاتی خلیات ایک ساتھ جمع ہوتے اور ہڈیوں کے گرد لپیٹ جاتے ہیں۔



ایک خاص مرحلے کے دوران رحم مادر میں بچے کی ہڈیاں مکمل طور پر نشوونما کے بعد گوشت (پٹھوں) کے ساتھ لپیٹ جاتی ہیں





قرآن میں رحم مادر میں بیچے کے نشوونما کے  
آٹھ مراحل بیان کئے ہیں، جیسا کہ سورۃ  
النہشون کی آیت ۱۳ میں بیان کیا گیا۔ جنم کی  
پہلی ہڈی پہلے ٹھوس ہڈی بننا شروع ہوتی ہے۔  
پھر یہ ہڈیاں ہڈوں کے ٹکڑوں سے ڈھکنے لگتی  
ہیں۔ خدا اس نشوونما کا ذکر قرآن میں اس طرح کرتا  
ہے: ”پھر تو ہر سہ کی بولی بٹائی پھر بولی گئی  
ہڈیاں بٹائی پھر پتیل پر گوشے پر حلیا“

Developing Human نامی کتاب میں اس بارے میں کچھ اس طرح

روشنی ڈالی گئی ہے:

ساتویں **نفتے** کے دوران، انسانی ہڈیوں کا ڈھانچا بنانے سے بدن میں  
پھیلنے لگتا ہے، اور ہڈیاں خاص شکل اختیار کرنے لگ جاتی ہیں۔ ساتویں  
**نفتے** کے آخر اور آٹھویں **نفتے** کے دوران ان ساخت شدہ ہڈیوں کے گرد  
عضلات (گوشت) اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔

مختصر الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ آدمی کی نشوونما کے قرآن میں بتائے گئے مراحل  
جدید جینیات کی دریافتوں کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں۔

## رحم مادر میں بچے کے تین مراحل

قرآن میں بیان کیا گیا کہ آدمی رحم مادر میں تین مرحلوں میں تخلیق کیا گیا ہے۔  
 ... يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ لَّئِيْذٍ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاعْبُدُوْهُ ۚ قُلُوْا ۝

”... وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح تین اندازوں میں بناتا ہے۔ یہی خدا تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟“  
 (سورۃ زمر آیت ۶)

جیسا کہ، اس آیت میں نشان دہی کی گئی ہے کہ ایک انسان رحم مادر میں تین مختلف مراحل میں پیدا کیا جاتا ہے۔ یقیناً، جدید حیاتیات نے دریافت کیا ہے کہ حکم مادر میں بچے کی جینیاتی نشوونما (Embryological Development) تین واضح مقامات پر ہوتی ہے۔ جینیات کی تمام درسی کتب میں یہ مضمون بنیادی علم کے طور پر لیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایمبر یولوجی کی ایک بنیادی حوالہ جاتی کتاب ہیک ہیومن ایمبر یولوجی (Basic Human Embryology) میں اس حقیقت کا بیان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

رحم مادر میں زندگی کے تین مراحل ہوتے ہیں۔ قبل جنینی مرحلہ

(Pre-embryonic) پہلے ذہائی ہفتے، جنینی

(Embryonic) آٹھویں ہفتے کے آخر تک، جنینی (Fetal)

آٹھویں ہفتے سے لے کر زچگی تک۔ ۱۸

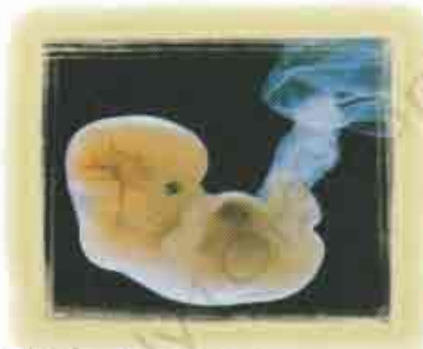
مندرجہ بالا پہلے ایک بچے کی نشوونما کے مختلف مراحل کے حوالے سے ہیں۔ مختصراً ان نشوونما کی مراحل کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

### قبل جنینی مرحلہ (Pre-embryonic stage)

اس پہلے مرحلے میں، زائے گوٹ تقسیم ورتقسیم ہو کر بڑھتا ہے، اور جب یہ ایک خلیاتی گچھا بن جاتا ہے تو یہ اپنے آپ کو رحم مادر کی دیوار میں گاڑ دیتا ہے۔ اس کے خلیے بڑھتے رہتے ہیں اور تین تہوں میں منظم ہو جاتے ہیں۔

### جنینی مرحلہ (Embryonic stage)

دوسرا مرحلہ ساڑھے پانچ ہفتے تک جاری رہتا ہے، اس مدت کے دوران بچہ ”جنین“ کہلاتا ہے۔ اس دور میں خلیاتی تہوں سے بنیادی اعضا اور نظام تشکیل پانا شروع کر دیتے ہیں۔



سورہ زمر کی آیت ۶ میں اشارہ دیا گیا ہے کہ انسان رحم مادر میں تین واضح مراحل میں تخلیق کیا گیا ہے۔ حقیقتاً یہ حیاتیات نے ثابت کیا ہے کہ رحم مادر میں بچے کی نشوونما تین واضح مقدمات پر ہوتی ہے۔

### قبیل مرحلہ (Fetal stage)

اس مرحلے کے دوران اور آخر تک جنین اب Foetus کہلاتا ہے۔ یہ مرحلہ آنکھوں ہفتے میں شروع ہوتا ہے، اور زچگی تک جاری رہتا ہے۔ اس مرحلے کی خاص بات یہ ہے کہ بچے (Foetus) کی شکل و شباهت بالکل ایک انسان کی سی ہوتی ہے یہ چہرے، ہاتھوں اور پاؤں سے انسان لگتا ہے۔ باوجودیکہ یہ ابتدا میں صرف تین سیٹلی میٹر لمبا ہوتا ہے، اس کے سارے اعضا ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ مرحلہ تقریباً تین ہفتے تک رہتا ہے، اور یہ نشوونما پیدائش کے ہفتے تک جاری رہتی ہے۔

صرف جدید آلات کی وجہ سے رحم مادر میں بچے کی نشوونما کی صحیح معلومات حاصل ہو سکی ہیں۔ دوسرے سائنسی حقائق کی طرح قرآن میں معلومات کے یہ شہ پارے ایک معجزات انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت کہ اس قسم کی مفصل اور بالکل درست اطلاعات قرآن میں ایک ایسے دور میں دی گئیں، جب لوگوں کے پاس طبی موضوع پر بہت ہی کم معلومات تھیں، ثابت کرتی ہے کہ قرآن انسان کا نہیں، بلکہ خدا کا کلام ہے۔



## شیر مادر

ماں کا دودھ ایک ایسا بے مثل مرکب ہے، جو خدا نے نومولود بچے کے لیے لاجواب غذا کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ یہ ایسا مرکب ہے۔ جو بیماریوں کے خلاف نومولود کی قوت مدافعت بڑھاتا ہے، حتیٰ کہ آج کل کی جدید ٹیکنالوجی سے تیار کردہ بچوں کی "مصنوعی غذا" میں اس حیرانہ غذا کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔

آئے دن شیر مادر کے بارے میں ایک نئے فائدے کا پتا چلتا ہے۔ سائنس نے ماں کے دودھ کے متعلق دریافت کیا کہ پیدائش کے بعد دو سال تک رضاعت انتہائی مفید ہے۔ ۱۹ سائنس کے ذریعے حال ہی میں دریافت ہونے والی اس حقیقت کے بارے میں قرآن نے چودہ سو سال قبل ہی یہ اہم بات فرمادی کہ: "اس کا دودھ پھرانا دو سال کا تھا۔"

وَوَضَعْنَا الْإِنْسَانَ بُولَدِيَّةً ۖ فَخَلَقْنَاهُ أَثْنَةً وَهَمًا عَلٰى وَهْنٍ  
وَفَضَّلْنَاهُ فِى عَالَمِينَ ۚ اِنْ اَشْكُرْتُمْ لِىْ وَلِوَالِدَيْكَ ۖ اِلٰى  
النَّصِيْرَةِ

اور ہم نے انسان کو جیسے اس

کی ماں کو تعریف پر تعریف نہ

پہنچ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر

اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آؤ گوارا)

وہ برس میں اس کا دودھ پھرانا تاکہ

ہے (اپنے نیز) اس کے ماں باپ

کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر

کہ تارہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کرم

کو) میری طرف لوٹ کر آتا ہے۔"

(سورۃ لقمان، آیت ۱۳)



## انگلیوں کے نشانات میں شناخت

قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ خدا کیلئے آسان ہے آدمی کو موت کے بعد دوبارہ زندگی دے۔ مندرجہ ذیل آیت میں انسان کی انگلیوں کے نشانات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَن لَّجَمْعِ عِظَامَةٍ ۖ بَلَىٰ قَدِيرِينَ  
عَلَىٰ أَن نَّسُوِيَ بَنَاتُهُ ۝

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں  
اکٹھی نہیں کریں گے، ضرور کریں گے (اور) ہم اس بات پر قادر  
ہیں کہ اس کی پور پور درست کریں۔" (سورۃ القیامت، آیات ۳۰-۳۱)

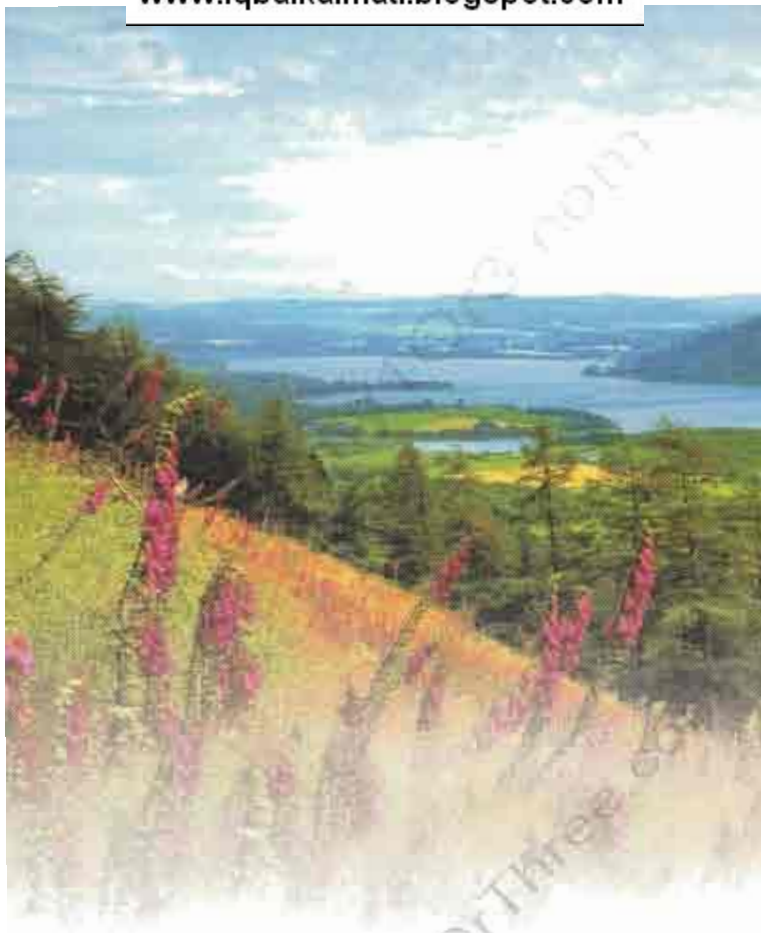
انگلیوں کے نشانات پر اصرار بہت ہی خاص مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کی انگلیوں کے نشانات مختلف ہوتے ہیں۔ ہر انسان جو اس وقت زندہ ہے یا جو کبھی وقت اس دنیا میں رہا تھا، اس کی انگلیوں کے نشانات دوسرے انسانوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔



دنیا میں ہر انسان، حتیٰ کہ بڑوں  
بچوں تک کے انگلیوں کے نشانات  
منفرد ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں  
لوگوں کی شناخت ان کی انگلیوں میں  
قلیدِ زبان (کوہ) میں مذکور ہے۔ اس  
قلیدِ نظام کو موجودہ بارکود کے نظام کے  
ساتھ موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انگلیوں کے نشانات اس کے مالک کی شناخت کے لیے خاص طور  
پر ثبوت مانے جاتے ہیں، اور ساری دنیا میں اس مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔  
لیکن اہم بات یہ ہے کہ انگلیوں کی یہ خاصیت صرف انیسویں صدی کے آخر میں ہی  
دریافت ہوئی۔ اس سے پہلے انگلیوں کے نشانات کو لوگ بغیر کسی خاص مقصد یا اہمیت کے عام کلیں  
سمجھتے تھے قرآن کریم میں خدا نے انگلیوں کے پوروں کی جانب اشارہ کیا اور اس کی اہمیت واضح کی۔  
جس پر اس کے نزول کے وقت کو کوئی متوجہ نہ ہوا لیکن آج اس کی اہمیت سے ہم سب واقف ہیں۔





حصہ دوم:

قرآن کریم میں مستقبل

کے بارے میں معلومات





## تعارف

قرآن کا ایک ہجڑانہ پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں مستقبل میں ہونے والے اہم واقعات کے بارے میں بتا دیا گیا۔ مثال کے طور پر سورۃ فتح کی آیت ۲۷ میں ایمان والوں کو فتح مکہ کی خوش خبری دی گئی، جو اس وقت مشرکوں کے قبضے میں تھا

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ إِنَّا بِالْحَقِّ لَنَذْخُلَنَّ  
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ \* مُخْلِقِينَ رُءُ  
وَسُكْمٍ وَ مُقْصِرِينَ \* لَا تَخَافُونَ \* فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا  
فَجَعَلَ مِنْ ذُنُوبِكُمْ فِتْنًا قُرَيْبًا

”بے شک خدا نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) سچ خواب دکھایا۔ کہ تم

خدا نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سر ملوا کر اور اپنے بال کٹوا کر

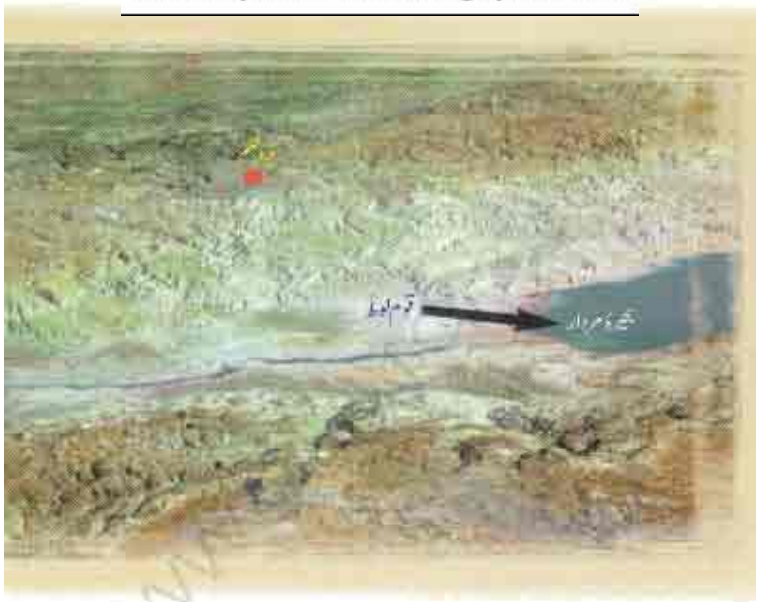
اسی ولمان سے داخل ہو کے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے۔ جو

بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی وہ اس نے اس سے پہلے ہی

بلد فتح کر دی۔“ (سورۃ الفتح، آیت ۲۷)

غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ آیت میں فتح مکہ سے قبل ایک اور فتح کا اعلان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بیان کیا گیا، مومنین نے پہلے خیبر کے قلعہ کو فتح کیا، جہاں پر یہودیوں کی حکومت قائم تھی، اور پھر مکہ میں داخل ہوئے۔

مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا اعلان قرآن کے علم و دانش کا حصہ ہے، اور یہ اس حقیقت کا ثبوت بھی ہے کہ قرآن خدا کا کام ہے جو لامحدود علم رکھتا ہے۔ دوسری اطلاعات کے ساتھ ساتھ، ہارنٹھیں کی شکست کی خبر بھی ایک پیشین گوئی ہے۔ جنہیں اس وقت کے لوگ جان نہیں سکتے تھے۔ اس تاریخی واقعے کے بارے میں سب سے دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ رومیوں کو دنیا کے سب سے زیادہ نشیب رکھنے والے علاقے میں شکست دی گئی۔ اس کا جائزہ آگے آنے والے صفحات میں لیا جائے گا۔ یہ بات اس لیے باعث دلچسپی ہے کہ متعلقہ آیت میں ”سب سے نشیبی علاقہ“ پر خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ اس دور کی ٹیکنالوجی کے مطابق قطعاً ناممکن تھا کہ اس قسم کی رہائش کی جاتی اور دنیا کے زیریں ترین علاقے کو جاننا۔ یہ خدا کی جانب سے لوگوں کے لیے ایک کھلی ہوئی بات ہے۔



## بازنطینیوں کی فتح

مستقبل کے بارے میں ایک اور متحیر کن انکشاف قرآن میں سورہ روم کی ابتدائی آیات میں پایا جاتا ہے جو رومی سلطنت کے مشرقی حصے میں قائم بازنطینی سلطنت سے متعلق ہے۔ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ بازنطینی سلطنت ایک عظیم شکست سے دوچار ہوئی، لیکن یہ کہ اسے عفریب ہی فتح نصیب ہوگی۔

اَلَمْۤ اَعْطٰیۤہُمُ الرُّوْمَ ۭ فِیۤ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَہُمْ مِّنۢ بَعْدِ  
عَلٰیہُمْ سَیِّغُلٰیۡیُوْنَ ۭ فِیۤ بَضْعِ سِنِیۡنٍ ؕ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلِ  
وَمِنْۢ بَعْدٍ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۭ

”اگر (اللہ) روم مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کے (عفریب) ملک  
میں۔ اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عفریب غالب ہو جائیں گے۔  
چند ہی سال میں۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی خدائی کا حکم ہے۔ اور اسی  
روز مومن خوش ہو جائیں گے۔“

(سورہ روم آیات ۱-۴)

جیرہ درہم  
کھنڈ

جیرہ درہم کا علاقہ (Basin)، جہاں بازنطینیوں کو ایرانیوں نے شکست دی۔ مصنوعی سیارے سے لی گئی تصویر جیرہ درہم کے علاقے کی ہے۔ جھیل لٹ (Lut) کا علاقہ، جو دنیا کا سب سے لمبی مقام ہے، ۱۱ جون ۲۰۰۵ء سے ۳۹۵ میٹر لمبے ہے۔

بت پرست ایرانیوں کے ہاتھوں عیسائی بازنطینیوں کی بدترین شکست کے تقریباً سات سال بعد یہ آیات لگ بھگ ۶۲۰ء میں نازل ہوئیں۔ ان آیات میں بتایا گیا کہ بازنطینی عنقریب فتح یاب ہوں گے۔ درحقیقت بازنطینیوں نے اس شکست کے فوراً بعد اتنے شدید نقصانات اٹھائے تھے کہ ان کی بقا ناممکن نظر آ رہی تھی، کیا کہ دو بار وفتح مند ہوں۔ اس وقت صرف ایرانی ہی نہیں، بلکہ آوار (Avars)، سلاوی (Slavs) اور لومبارڈ (Lombards) نسلیں بھی بازنطینی سلطنت کے لیے شدید خطرات کا باعث تھیں۔ آوار تو قسطنطنیہ کے فیصل شہر تک جا پہنچے تھے۔ بازنطینی بادشاہ ہرکولیس نے حکم دیا کہ گر جاگھروں میں موجود سارا سونا اور چاندی پگھلا کر فوجوں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے سکے بنا دیے جائیں۔ جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوئے تو پینٹل کے بحسے اور بت بھی پگھلا دیے گئے تاکہ ان کو نقدی میں بدلا جاسکے۔ بہت سارے گورنروں نے بادشاہ ہرکولیس کے خلاف بغاوت کر دی اس طرح سلطنت ختم ہونے کو تھی۔ میسوپوٹامیا (Mesopotamia) سیلیسیا (Cilicia)، شام، فلسطین، مصر اور آرمینیا کے علاقوں میں جو پہلے بازنطینی سلطنت کے پاس تھے، ان میں بت پرست ایرانی حملہ آور داخل ہو چکے تھے۔ ۲۰

مختصراً یہ کہ اس دور میں پوری دنیا بازنطینی سلطنت کی چابی کی توقع کر رہی تھی۔ لیکن عین اسی وقت سورہ روم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، جن میں آنے والے کچھ برسوں میں بازنطینیوں کی فتح کا اعلان کیا گیا۔ یہ فتح کچھ اتنی غیر ممکن نظر آ رہی تھی کہ عرب کے مشرکین تو اسنے آگے چلے گئے کہ ان آیات کا مذاق اڑانے لگے تھے اور ان کا خیال تھا کہ قرآن میں اعلان شدہ فتح بازنطینیوں کو کبھی بھی حاصل نہ ہو سکے گی۔

سورہ روم کی ابتدائی آیات کے نزول کے تقریباً سات سال بعد دسمبر ۶۳۷ء عیسویں میں بازنطینی اور ایرانی سلطنتوں کے مابین خلیجہ کے مقام پر ایک فیصلہ کن جنگ لڑی گئی اور اس وقت غیر متوقع طور پر بازنطینی فوجوں نے ایرانی فوجوں کو شکست فاش دی۔ کچھ مہینوں کے بعد ایرانیوں کو بازنطینیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کرنا پڑا جس میں ان کو حاصل شدہ علاقے مجبوراً واپس کرنے پڑے۔ ۳۱

بالآخر قرآن میں خدا کا اعلان ”فتح روم“ معجزانہ طور پر سچ ثابت ہوا۔

ان آیات میں ایک اور معجزہ ایک جغرافیائی حقیقت کا اعلان تھا جو اس وقت کسی کے علم میں نہ تھا۔

سورہ روم کی تیسری آیت میں اطلاع دی گئی کہ رومیوں کو دنیا کے سب سے زیادہ نشیبی مقام پر شکست دی گئی۔ قرآن کے متعدد تراجم میں ان عربی قرآنی کلمات ”اذنسی الارض“ کا ترجمہ ”قریب کا علاقہ“ کیا گیا ہے، مگر یہ اصل الفاظ کے لغوی معنی نہیں بلکہ تمثیلی ترجمانی کی کوشش ہے۔ عربی میں لفظ ”اذنسی“ لفظ ”دینی“ سے نکلا ہے جس کے معنی ”نشیب“ ہیں، اور ”ارض“ جس کے معنی ”دنیا“ کے ہیں۔ اس لیے اظہار ”اذنسی الارض“ کے معنی ”زمین پر سب سے نشیبی جگہ“ کے ہوئے۔



یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بازنطینی سلطنت اور ایرانیوں کے مابین لڑی گئی اس جنگ کے فیصلہ کن اور دونوں محرکے، جن میں بازنطینیوں کو شکست ہوئی اور وہ یروشلم سے محروم ہوئے، واقعی دنیا کے پست ترین مقام پر ہوئے۔ یہ مخصوص علاقہ بحر مردار کا حلاس (Basin) ہے، جو کہ شام، فلسطین اور اردن کے نقطہ اتصال (Intersection Point) پر واقع ہے۔ ”بحر مردار (Dead Sea)“ سطح سمندر سے ۳۹۵ میٹر کی گہرائی میں واقع ہے اور یہ واقعہ دنیا کا پست ترین مقام ہے۔

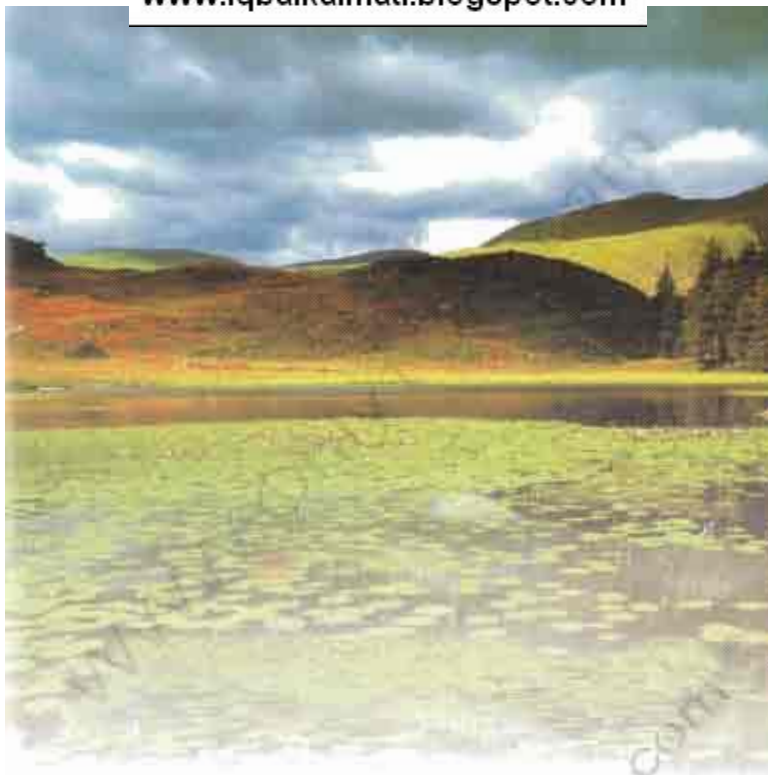
اس کا مطلب ہے کہ بازنطینی دنیا کے پست ترین مقام پر شکست کھا گئے، جیسا کہ مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے۔

اس حقیقت کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ بحر مردار کی اونچائی صرف جدید طریقہ پیمائش سے ناپی جاسکتی ہے۔ اس سے پہلے کسی کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جان سکتا کہ بحر مردار زمین کی سطح پر پست ترین مقام ہے۔ لیکن اس علاقے کو قرآن کریم میں زمین پر دنیا کا پست ترین مقام کہا گیا ہے۔ اس لیے یہ ایک اور ثبوت ہے کہ قرآن الہامی کلام ہے۔



اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ بحر مردار کے حلاس کی تصویر ہے۔ بحر مردار کی بلندی کا اندازہ صرف جدید پیمائشی طریقہ کار ہی سے ممکن ہو سکا ہے۔ ان پیمائشوں نے اس دریافت تکمیل دہائی کی کہ یہ ”زمین پر دنیا کا پست ترین مقام“ ہے۔





حصہ سوم:

# قرآن کے تاریخی معجزے

www.OnThree.com



## لفظ ”ہامان“ قرآن میں

قرآن کریم میں قدیم مصر کے بارے میں ذی گہنی معلومات بہت سارے تاریخی حقائق کا انکشاف کرتی ہیں، جو آج تک پوشیدہ رہیں۔ یہ حقائق ہم پر منکشف کرتے ہیں کہ قرآن کا ایک ایک لفظ حتمی دانش کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

ہامان ایک ایسا کردار ہے جس کا نام قرآن میں فرعون کے نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں چھ مقامات پر ہامان کا ذکر فرعون کے نزدیک ترین لوگوں میں کیا گیا ہے۔

حیران کن طور پر ہامان کا نام تورات کے ان حصوں میں کہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے، کہیں پر بھی نہیں پایا جاتا۔ جبکہ عہد نامہ قدیم کے آخری ابواب میں ہامان کا ذکر بائبل کے ایک (Babylonian) بادشاہ کے مددگار کے طور پر آتا ہے، جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً گیارہ سو سال بعد بنی اسرائیل پر بہت ظلم ڈھائے۔

کچھ غیر مسلم جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) نے تورات اور انجیل سے نقل کر کے قرآن لکھا تھا وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور (ﷺ) نے ان کتابوں میں درج کچھ موضوعات قرآن میں قلم طور پر منتقل کر دیے تھے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

ان دونوں کی نامعنویت اور یہودی کا بھانڈہ اس وقت چھوٹا جب قدیم مصری علاماتی تحریر (Hieroglyphic Alphabet) دو سو سال پہلے پڑھ لی گئی، اور نام ”ہامان“ ان کی قدیمی دستاویزات میں دریافت ہوا۔

ان دریافتوں سے پہلے قدیم مصری تحریرات اور کتبہ جات سمجھے نہیں جاسکتے تھے۔ قدیم مصری زبان علاماتی زبان تھی، جو زمانوں تک زندہ رہی۔ مگر دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں یہ سیاست اور دیگر ثقافتی اثرات کے غلبے کے باعث مصر نے اپنے پرانے عقائد کے ساتھ ساتھ اپنی علاماتی تحریر بھی ترک کر دی۔ تب یہ زبان ایسے بھلا دی گئی کہ کوئی بھی ایسا شخص نہ رہا جو اسے پڑھ اور سمجھ سکتا۔ یہ صورت حال تقریباً دو سو سال پہلے تک قائم رہی۔

قدیم مصری علاماتی تحریر کا راز ۱۷۹۹ء میں اس وقت کھلا جب ۱۹۹ قبل مسیح کے دور سے تعلق رکھنے والی ایک لوح (Tablet) جسے روزنا سٹون (Rosetta Stone) کہتے ہیں دریافت ہوئی۔ اس کتبے کی خاص بات اس پر ایک وقت تین مختلف قسم کی تحریروں کی موجودگی تھی۔ علاماتی یا تصویری (Hieroglyphics) قدیم مصری سادہ



”ہمان“ کا نام: انیسویں صدی عیسوی میں، قدیم مصری تصویریں تحریر کے پڑھ لینے (Decoding) سے پہلے یا انہیں جانا تھا۔ جب قدیم مصری تصویریں تحریر پڑھ لینے کے قابل ہو گئی تو یہ بات سامنے آئی کہ ہمان، فرعون کے ایک مستعد و دکاندار کا نام تھا، اور وہ ”پتھری کاٹوں کا سربراہ“ تھا (اور یہی تصویر میں قدیم مصری عمارتی کاریگر دکھائے گئے ہیں)۔ یہاں اہم بات یہ ہے کہ قرآن میں ہمان کا ذکر فرعون کے قرائین کے تحت تعمیراتی کاموں کی نگرانی کرنے والے کے طور پر ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں دی گئی یہ معلومات اس کے فزول کے وقت کوئی بھی آدمی نہ سمجھ سکتا تھا۔

علاماتی تحریر اور یونانی (Greek)۔ اس لوح پر موجود یونانی تحریر کی مدد سے قدیم مصری تحریر پر بھی گئی۔ اس لوح پر موجود تحریر کا ترجمہ ایک فرانسیسی چین فضاگوئی ٹیمپولین (Jean-Francoise Champollion) نے مکمل کیا۔ اس طرح ایک بحولی شکل زبان اور اس میں موجود واقعات دنیا کے سامنے آئے۔ یوں اس تہذیب، مذہب اور سماجی زندگی کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ دستیاب ہوا۔

تصویری زبان (Hieroglyph) کو سمجھ لینے کے بعد معلومات کا ایک اہم حصہ دستیاب ہوا کہ ”ہامان“ کا نام واقعی قدیم مصری تحریرات میں درج تھا۔ یہ نام ویانا (Vienna) کے ہوف عجائب گھر (Hof Museum) میں موجود ایک یادگار سے تعلق رکھتا ہے۔ ۲۲

قدیم کتبہ جات و تحریرات پر موجود مواد پر مشتمل ایک ڈسٹری جس کا نام پپل ان وی نیو کنگڈم (People in the New Kingdom) ہے میں ہامان کا ذکر پتھری کانوں کے مزدوروں کے سربراہ کے طور پر کیا گیا ہے۔ ۲۳

چنانچہ اس طرح ایک حقیقت یہ سامنے آتی ہے۔ قرآن کے مخالفین کے غلطہ و عموں کے برعکس، ہامان وہ شخص تھا جو مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں گزرا، وہ فرعون کا معتمد تھا، اور تفسیراتی کاموں میں مصروف عمل رہتا تھا، جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا۔

مزید برآں، قرآن میں وہ آیت جس میں اس واقعے کا ذکر کیا گیا ہے، اور ہامان کو فرعون ایک مینار تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے، اس قدیم تاریخی (آثار یاتی) دریافت کے عین مطابق ہے:

وَقَالَ فِرْعَوْنُ مَا يَهْدِي الْقَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ آلِهٍ غَيْرِي ۖ قَالُوا قَدْ لَبِىْنَا عَلَى الطَّيْرِ فَاجْعَلْ لَّنَا صُرْحًا لَّعَلَّنَا أَطْلُعَ إِلَىٰ آلِهَةِ مُوسَىٰ ۖ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ مِنَ الْكَذَّابِينَ ۝

”اور فرعون نے کہا کہ اے اٹھ وہاں میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا تو ہامان میرے لیے گارے کو آگ لگو (کرائیشیں بکھرا) دو پھر ایک (اوپر) اٹھ، وہاں تو کہ جس موسیٰ کے خدا کی طرف توجہ دے جاؤں۔ اور میں تو اسے جہنم سمجھتا ہوں۔“ (سورہ القصص، آیت ۳۸)

مختصر اگیا جاسکتا ہے کہ ہامان کے نام کا قدیم مصری تحریرات پایا جانا نہ صرف یہ کہ قرآن کے مخالفین کے جعلی دعووں کو باطل ثابت کر دیتا ہے، بلکہ ایک بار پھر یہ ثبوت مہیا کرتا ہے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو خدا کی جانب سے نازل کی گئی ہے۔ ایک عجزانہ انداز میں قرآن میں تاریخی معلومات مہیا کرتا ہے، جنہیں عہد نبوی ﷺ میں نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔

## قرآن میں مصری حکمرانوں کے خطابات

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کی زمین میں رہنے والے واحد پیغمبر نہ تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام بھی مصر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور سے کافی پہلے گزرے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعات پڑھتے ہوئے چند باتوں کا موازنہ کرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کے مصری حکمرانوں کو خطاب کرتے ہوئے قرآن ”مَلِك“ (بادشاہ) کا لفظ استعمال کرتا ہے:

وَقَالَ الْمَلِكُ اِثْنُوْنِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَمَہٗ  
قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اٰمِيْنٌ ۝

”اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا  
مصاحب خاص بناؤں گا۔ پھر جب اُن سے گفتگو کی تو کہا کہ آج  
سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو۔“  
(سورہ یوسف، آیت ۵۳)

اس کے برعکس، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں حکمران کے لیے ”فرعون“ کا لقب استعمال کیا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ مُّبِيْنٰتٍ فَنَسِيَ بَنِيْ  
اِسْرَآءِیْلَ اِنْجَآءَہُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَا ظَنُّکَ  
بِمُوسٰی مُنْخَوِزًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو نوکلی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے دریافت کر  
لو کہ جب وہ اُن کے پاس آئے تو فرعون نے اُن سے کہا کہ موسیٰ  
میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے۔“

(سورہ اعراف، آیت ۱۰۱)

آج جو تاریخی ریکارڈ دستیاب ہے اس سے ان حکمرانوں کے لیے استعمال ہونے والے مختلف القاب و خطابات کے اسباب کا پتا چلتا ہے۔ لفظ ”فرعون“ جیسا کہ قدیم مصر میں شاہی خاندان کو دیا گیا نام تھا۔ پرانی شہنشاہیت کے حکمران یہ خطاب استعمال نہیں کرتے تھے۔ حکمرانوں کے لیے لفظ فرعون کا استعمال مصری تاریخ کے عہد ”سلطنت نو“ سے پہلے شروع نہیں ہوا تھا۔ یہ عہد انھارویں شہنشاہیت (۱۵۳۹ تا ۱۲۹۲ ق م) سے شروع ہوا





اور میسوس شہنشاہیت (۹۳۵ تا ۳۰ ق م) تک لفظ ”فرعون“ تعظیم کے خطاب اور لقب کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

لہذا قرآن کی ”عجزاتی حیثیت“ ایک بار پھر یہاں نمایاں ہو جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پرانی بادشاہت کے عہد میں تھے لہذا اُس دور کے مصری حکمرانوں کے لیے لفظ ”فرعون“ کی بجائے لفظ ”ملك“ کا استعمال کیا گیا۔ جبکہ اس کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ نئی بادشاہت کے عہد میں رہے لہذا اُس وقت کے مصری حکمران کو ”فرعون“ کہہ کر مخاطب کیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس فرق کو جاننے کے لیے آدمی کو مصر کی تاریخ کا علم ہونا چاہیے۔ مگر قدیم مصر کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی تک قطعی ہموائی جا چکی تھی کہ انیسویں صدی عیسوی میں اس کی دوبارہ دریافت تک یہ تحریر کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ اس لیے قرآن کے نزول کے وقت مصری تاریخ کے بارے میں کوئی گہرا علم دستیاب نہ تھا۔ یہ حقیقت قرآن کی لا تعداوثوتوں میں سے ایک اور ثبوت ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔

# خلاصہ کلام:

## قرآن خدا کا کلام ہے

ہم نے اب تک جو کچھ بھی پڑھا، اس سے ایک کھلی ہوئی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کی ساری معلومات صحیح اور ہر خبر سچی ہے۔ سائنسی موضوعات کے بارے میں حقائق ہوں یا مستقبل کے بارے میں پیشین گوئیاں یا ایسے حقائق جو اس وقت (چودہ سو سال پہلے) کوئی بھی نہ جانتا تھا، اس کتاب میں بیان کر دیے گئے۔ اس دور کے علم اور ٹیکنالوجی کے دورے میں ان آیات میں بیان کردہ حقائق کو سمجھنا ناممکن تھا۔ یہ حقائق اس بات کا واضح ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ قرآن انسانی کام نہیں ہے۔ قرآن قادر مطلق خدا کا کلام ہے، جو ہر شے کا خالق ہے، اور جو ہر چیز پر اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ایک آیت میں خدا قرآن کے بارے میں فرماتا ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كُنَّا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ  
اِخْتِلَافًا كَثِيرًا ۝

”بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔“ (سورۃ النساء آیت ۸۲)

قرآن میں نہ صرف یہ کہ کوئی تضاد نہیں بلکہ گزرنے والے ہر دن کے ساتھ اس کی آیات میں موجود معلومات کا ہر حصہ اس الہامی کتاب کا ایک ایک معجزہ سامنے لا رہا ہے۔

اب انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کی جانب سے نازل کی ہوئی اس الہامی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے، اور صرف اسی ایک کتاب کو اپنا رہنما بنالے۔ ان آیات میں سے ایک میں خدا ہمیں دعوت دیتا ہے:

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝

”اور (اسے) نظر کرتے والو! یہ کتاب بھی ہمیں انعام کی ہے برکت والی۔ تو اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرو تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔“ (سورۃ الاحقاف آیت ۱۵۵)

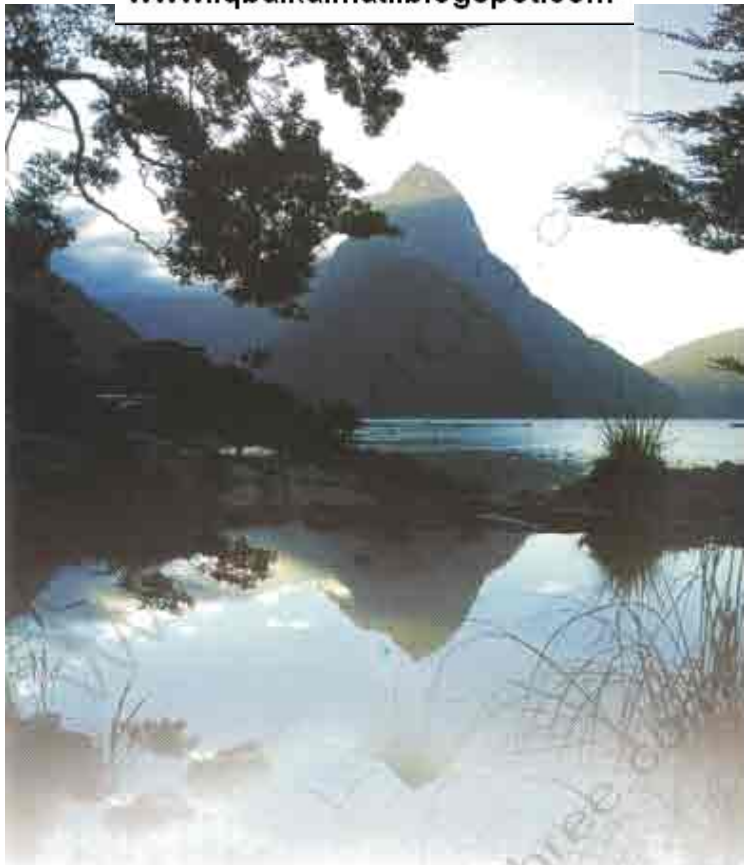
دیگر آیات میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ

”اور کہہ دو کہ (لوگو!) یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔“ (سورۃ النحل آیت ۲۹)

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ نَذْكُرْهُ

”نہیں! یہ (قرآن) نصیحت ہے جس کو چاہے یاد رکھے۔“ (سورۃ یس آیت ۱۳)



حصہ چہارم

ارتقاء کا فلسفہ تصور



## تعارف

ہم نے کتاب اللہ کے بیان کردہ کچھ معجزات کا مطالعہ کیا ہے، جو اس نے نوع انسانی کی رہنمائی اور اسے خبردار کرنے کیلئے بیان کئے ہیں۔ ان معجزات کے ساتھ ساتھ خدا نے ہمیں کافی نشانیاں بھی دکھائی ہیں کہ قرآن حق کی کتاب ہے، اور لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس پر غور و فکر کریں۔ قرآن کے اہم ترین موضوعات میں سے ایک موضوع یہ ہے کہ انسان زمین میں تخلیق کی بے صیغ نشانوں کو دیکھے اور اللہ کے وجود کو تسلیم کرے۔ مگر آج کل ایسے کئی نظریات موجود ہیں جو لوگوں کو تخلیق کی حقیقت پر ماموش کرنے پر مائل کرتے ہیں اور ان بے بنیاد نظریات و خیالات کے ذریعے لوگوں کو مذہب پر گشہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لوگوں کو گمراہ کرنے والے ان نظریات میں سب سے نمایاں ”مادیت“ (Materialism) ہے۔

داروینزیم یعنی نظریہ ارتقا (Theory of Evolution) دو بنیادی نظریے سے جسے مادیت نام لیا گیا سائنسی بنیاد کے ساتھ اختیار کرتی ہے۔ یہ نظریہ دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی بے جان شے یا مادہ (Matter) سے ارتقا کا وجود میں آئی، لیکن یہ حقیقت کہ کائنات کو خدا نے تخلیق کیا ہے، سائنسی طور پر ثابت ہونے پر یہ دعویٰ باطل ہو گیا۔

یہ دعویٰ تو ہے جس نے ساری کائنات کی تخلیق کی، اور اس کائنات کے خاکے اور ڈھانچے کی جڑیات تک کی منصوبہ بندی کی، لہذا نظریہ ارتقا جو دعویٰ کرتا ہے کہ زندگی خدا کی تخلیق نہیں بلکہ یہ محض اتفاق کا نتیجہ ہے، ناممکن ہے کہ جی ثابت ہو۔

جسے ہم نظریہ ارتقا پر ایک لگا دو دلائل ہیں تو واضح طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ سائنسی حقائق اس نظریے کو مسترد کرتے ہیں۔ حیات کا نقشہ انتہائی پیچیدہ اور حیران کن ہے۔ مثال کے طور پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ بے جان اشیاء میں ایٹموں کی ترتیب کا توازن کس قدر نازک ہے، اور یہ کہ جاندار اشیاء میں کیسے وسیع و بڑا انداز میں یہ ایٹم باہم مربوط ہو جاتے ہیں، اور ان ایٹموں سے تیار ہونے والی اشیاء مثلاً لحمیات (Protiens)، خامروں (Enzymes) اور خلیوں (Cells) کی ساخت اور طریق کار کس قدر عجیب و غریب اور غیر معمولی ہے۔

حیات میں اس غیر معمولی طرز تعمیر نے داروینزیم کو سوئس صدی عیسوی میں کا عدم قراؤں سے دیا۔ ہم نے اس مضمون کو اپنی کئی دیگر تحریروں میں کافی تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا مگر اس مضمون کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اس کا ایک مختصر خلاصہ دیا جائے۔



## ڈارونزم کا سائنسی انہدام

اگرچہ اس فلسفے کی گزریاں قدیم یونان تک جا پہنچتی ہیں، مگر نظریہ ارتقاء کی نمایاں ترقی انیسویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ سب سے اہم پیش رفت جس نے نظریہ ارتقاء کو سائنس کی دنیا کا یونی کا موضوع بنا دیا وہ چارلس ڈارون (Charles Darwin) کی ۱۸۵۹ء میں شائع شدہ "انواع کی ابتداء" (The Origin of Species) نامی کتاب تھی۔ اس کتاب میں ڈارون نے ترویجی کڑھین پر مختلف زندہ انواع خدا نے علیحدہ علیحدہ تخلیق کئے ہیں۔ ڈارون کے مطابق ساری زندہ مخلوق کا ایک مشترکہ جد امجد (Ancestor) ہے، اور یہ ساری مخلوق چھوٹی چھوٹی تہذیبوں سے ہوتے ہوئے الگ الگ انواع میں تقسیم ہوئیں۔

ڈارون کی چھوڑی کی بنیاد کسی خاص بنیادی محکم سائنسی اصول اور معلومات پر نہیں رکھی گئی تھی، جیسا کہ اس نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ صرف ایک "مفروضہ" (Assumption) ہے۔ ڈارون نے اپنی کتاب کے ایک طویل باب "نظریہ کی مشکلات" (Difficulties of the Theory) میں اعتراف کیا کہ یہ نظریہ کئی تحدیدی حوالات کے باعث ناکام ہو رہا تھا۔

ڈارون نے اپنی تمام امیدوں کی بنیاد مستقبل میں ہونے والی سائنسی دریافتوں پر رکھی، جن سے اسے توقع تھی کہ وہ اس "نظریہ کی مشکلات" حل کر دیں گی۔ مگر اس کی امیدوں کے برعکس، سائنسی دریافتوں کی وجہ سے ان مشکلات میں مزید اضافہ ہوا۔

سائنس کے مقابلے میں ڈارونیت کی شکست کا تین بنیادی عوامل کے تحت جائزہ لیا جاسکتا ہے۔  
(۱) یہ نظریہ کسی بھی طریقے سے یہ نہیں بتا سکتا کہ زمین پر حیات کا ظہور اور ابتدا کیسے ہوئی۔  
(۲) نظریہ کے مجوزہ "ارتقائی طریقہ کار" کے متعلق کوئی سائنسی ثبوت دستیاب نہیں، جس سے ثابت ہو سکے کہ فلاں نوع کسی بھی قسم کی ارتقائی طاقت رکھتی ہے۔



چارلس ڈارون Charles Darwin

(۳) رکازی ریکارڈ (Fossil Record) قطعی طور پر نظریہ ارتقاء کی قیاس آرائی کی ضد ہیں۔

اس حصے میں ہم ان تین بنیادی نکات کو مختصر ایلان کریں گے:

پہلا ناقابل عبور قدم:

## ابتداءئے حیات

نظریہ ارتقاء کا کہنا ہے کہ تمام جاندار ایشیا ارتقاء پذیر ہوئیں ایک واحد زندہ شے سے جو زمین پر ۳.۸ بلین سال پہلے ظاہر ہوا تھا۔ ایک واحد غلیہ کس طرح لاکھوں پیچیدہ زندہ اجسام کو عالم وجود میں لاسکتا ہے۔ اور اگر ایسا کوئی ارتقاء وقوع پذیر ہوا ہی تھا تو اس کے رکازی ریکارڈ (Fossil Record) کی زمین پر کوئی

نشانیاں کیوں دریافت نہیں ہو رہیں؟ یہ چند ایسے سوالات ہیں جن کا نظریہ ارتقاء کے پاس کوئی جواب ہی نہیں دے سکتا۔ سیر کیف ابتدائی اور سب سے نمایاں سوال جو پوچھا جانا چاہیے وہ یہ ہے کہ کیا اس میں ارتقاء کی قوت کے پہلے مرحلہ میں ان کا سب سے اولین خلیہ (First cell) کیسے وجود میں آیا؟

نظریہ ارتقاء تخلیق کی حقیقت سے انکار کرتا ہے اور اس میں کسی مافوق الفطرت قوت کی کاریگری کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس کا یہ طریقہ دعویٰ ہے کہ زندگی کا "اولین خلیہ" فطرت کے قوانین میں اتفاقی طور پر وجود میں آیا۔ اس نظریے کے مطابق اسے یہ جان شے یا مادہ نے ایک زندہ خلیہ اتفاقاً بنادیا ہوگا مگر یہ دعویٰ حیاتیات کے انتہائی غیر متعارف اصولوں سے بھی متصادم ہے۔

## حیات سے ظہور حیات

اپنی کتاب میں ارون نے ہمیں پر بھی زندگی کی ابتدا کا سوال نہیں دیا۔ اس کے دور میں سائنس کی ابتدائی سطح اس مقررہ حصے پر مبنی تھی کہ جانداروں کی ساخت بہت سادہ ہوتی ہے چنانچہ یہ نظریہ کہ بے جان اشیاء یا ہم ایک جگہ جمع ہو کر زندہ اجسام کی تخلیق کا سبب بنتی ہیں، معدوم طور پر قابل قبول تھا۔ عمومی طور پر سمجھا جاتا تھا کہ بلی ہوئی خدا سے کیز سے کمزورے اور گندم سے پوتے وجود میں آتے ہیں۔ اس کو ثابت کرنے کے لیے دلچسپ تجربے کیے جاتے تھے۔ کچھ گندم ایک گندے کیز سے پیدا ہونے لگتی تھی اور یہ لہیال کیا جاتا تھا کہ کچھ عرصے بعد اس سے چوہے پیدا ہو جائیں گے۔ اسی طرح گوشت میں پیدا ہونے والے کیزوں کے حلق پیدا جاتا تھا کہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر عرصے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ کیز سے گوشت پر اپنے آپ پیدا نہیں ہو جاتے بلکہ کیزوں وغیرہ کے لاروے (Larvae) جو نظر نہیں آتے وہ بکریاں یہاں پر چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ لاروے بعد میں کیزوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

تجربے کرنا اس دور میں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھے کہ سائنس کی دنیا میں یہ عقیدہ کہ ہر شے جان مادہ سے وجود میں آسکتی ہیں، بڑے پیمانے پر تسلیم کیا جاتا تھا۔

مگر ۱۸۶۰ء کی کتاب کی اشاعت کے پانچ سال بعد لوئی پاستر (Louis Pasteur) کی دریافت نے اس عقیدے کو جو ارتقاء کے نظریے کا بنیادی مادہ تھا، باطل ثابت کر دیا۔ کافی وقت تک جاری تجربات اور مطالعے کے بعد لوئی پاستر نے ان کا خلاصہ دیا "یہ دعویٰ کہ بے جان اشیاء زندگی کو جو، خوش ستمی ہیں انسانیت کی بحالی کے لیے تاریخ کے صفحات میں اٹھ کر دیا گیا۔" ۱۸۶۰ء

نظریہ ارتقاء کی نکالت کرنے والوں نے ایک طویل عرصے تک لوئی پاستر کی دریافتوں کی مخالفت کی۔ چونکہ سائنس کی ترقی نے ایک زندہ جسم کے خلیے کی پیچیدہ ساخت کو بے قابو کر دیا، اس لیے یہ لہیال کہ زندگی اتفاقاً وجود میں آسکتی ہے ایک لامحلہ سمجھی بن گیا۔

## بیسویں صدی کی بے نتیجہ کوششیں

پچھارہ ہفت پرست جس نے بیسویں صدی میں ابتدائے حیات کا موضوع پیچیدہ اور زوں کا بننے والا مشہور حیاتیات دان الکسانڈر اوپارن (Alexander Oparin) تھا۔ ۱۹۲۰ء کے عشرے میں اپنے مختلف مقالوں کے ذریعے اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک زندہ جسم کا خلیہ اتفاق سے وجود میں آسکتا ہے۔ مگر ان مقالوں کی قسمت میں کامیابی لکھی تھی کہ اوپارن کو متعدد بار میل آفرائڈز نے یاد کر "چشمی سے طے کیا کہ جو وہ اس آنا ایک والی نشان ہے جو تمام نظریہ ارتقاء کا تاریک ترین نقطہ ہے۔" ۱۹۲۰ء

وپارن کے مقلدوں نے "ابتداء کے حیات" کا مسئلہ حل کرنے کے لیے تجربات کا سلسلہ جاری

انہ ان تجربات میں مشہور ترین تجربات امریکی کیمیا دان سٹینلی ملر (Stanley Miller) نے ۱۹۵۳ء میں کیے۔ ایک تجرباتی ماحول میں ان گیسوں کو یکجا کر کے جو اس کے بقول ابتدائی زمین (Primordial Earth) کی فضا میں پائی جاتی تھیں، اور ایک آمیزے میں توانائی شامل کر کے ملر نے چند نامیاتی سالمے (Organic Molecules) امینو ایسڈ (Amino Acid) بنا کے جو عصبیات (Protein) کی ساخت میں شامل ہوتے ہیں۔

بیشکل چند سال گزرتے ہوں گے کہ یہ تجربہ جو نظریہ ارتقا کے لیے ایک اہم دلیل خیال کیا جاتا تھا، ناقص ثابت ہوا۔ کیوں کہ تجربے میں جو فضا استعمال کی گئی تھی، وہ اس وقت کی زمین کے حقیقی حالات سے بہت مختلف تھی۔ ۲۶

ایک طویل خاموشی کے بعد ملر نے تسلیم کر لیا کہ فضا کے اسباب جو اس نے تجربے کے لیے استعمال کیے تھے، غیر حقیقی تھے۔ ۲۷

تیسویں صدی میں ابتدائے حیات کی توضیح کرنے کے لیے ارتقا پرستوں کی ساری کوششیں نایکاب گئیں۔ سان ایڈا گوئسٹریس انشٹیٹیٹ سے تعلق رکھنے والے ارضیاتی کیمیا دان (Geochemist) جفری بادا (Jeffrey Bada) نے ارتقویٹیزم میں ۱۹۹۸ء میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھا: "آج جبکہ ہم تیسویں صدی سے لگن رہے ہیں، ہم بدستور اس عقیم (عظیم) سوال کا سامنا کر رہے ہیں، جو اس وقت ہمارے سامنے تھا، جب ہم تیسویں صدی میں داخل ہو رہے تھے کہ زمین پر زندگی کی ابتدا کیسے ہوئی؟" ۲۸

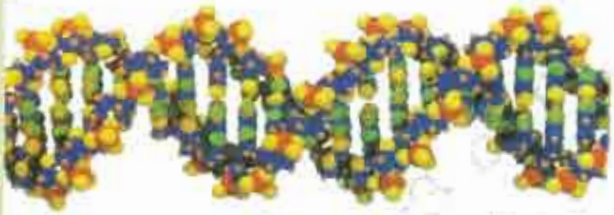
## حیات کی پیچیدہ ساخت

بنیادی وجہ جس سے نظریہ ارتقا زندگی کی ابتداء کے بارے میں ایک بندگی میں آکر ٹھہر گیا، یہ ہے کہ بظاہر ملاوٹرین نظراً آنے والے زندہ اجسام بھی انتہائی پیچیدہ ساخت رکھتے ہیں۔ ایک زندہ خلیہ انسان کی وضع کردہ ٹیکنالوجی سے بنی ہر شے سے زیادہ پیچیدہ ہوتا ہے حتیٰ کہ آج بھی دلیا کی جدید ترین اور ترقی یافتہ تجربہ گاہیں، غیر نامیاتی اشیاء کو جمع کر کے ایک زندہ خلیہ نہیں بنا سکتیں۔

ایک خلیہ بنانے کے لیے درکار شرائط تعداد میں اتنی زیادہ ہوتی ہیں کہ امکانات سے ان کی توضیح نہیں کی جاسکتی۔ پروٹین جو خلیے کا بنیادی حصہ ہوتی ہے جو پانچ سو امینو ایسڈز پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے ارتقا ثابتے کا امکان  $10^{930}$  میں سے ایک حصہ ہوتا ہے ( $1/10^{930}$ )، ہر پانچویں میں  $10^{30}$  میں سے ایک حصے ( $1/10^{30}$ ) کسی شے کے وجود کا امکان عملی طور پر ناممکن خیال کیا جاتا ہے۔

ڈی این اے سالمہ (DNA Molecule) جو خلیے کے مرکز (Nucleus) میں ہوتا ہے، اور جینیاتی معلومات کا ذخیرہ رکھتا ہے، معلومات کا ایک ناقابل یقین خزانہ ہے۔ حساب لگایا گیا ہے کہ اگر ڈی این اے میں موجود اشاروں کو لکھا جائے تو یہ پانچ سو صفحات پر پھیلا ہوا یا کئی ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ایک بلیک بورڈ پر لکھا جائے گا۔

ایک عجیب اور دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی ہے ڈی این اے اپنی نقل صرف کچھ منٹرو پرولین کی مدد سے بنا سکتے ہیں۔ تاہم ان خامروں کی تالیف صرف ڈی این اے میں زحری اسموڈ (Coded) کے تحت جمع شدہ معلومات ہی سے جانی سکتی ہیں چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں، اس لیے ان دونوں کا اپنی نقل بنانے کے لیے ایک ساتھ موجود ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ کہنا کہ حیات خود بخود وجود میں آئی، ایک لائٹل معما بن جاتا ہے۔ کئی فوریا کی سان ڈیاگو یونیورسٹی کے پروفیسر لیزلی اورگل (Leslie Orgel) سا نظریہ امریکن رسالے کے ۱۹۹۳ء کے شمارے میں اقرار کرتے ہیں:



نظر یہ ارتقا کو پائل طہرانے والے پھر تحقیق میں سے ایک زندگی کی بالفاظ قیاس مجیدہ ساخت ہے۔ زندگی کے طلیوں کے مرگی دن میں ڈی این اے کے سائے اس کی مثال ہیں۔ ڈی این اے ایک جسم کا اطلاعات کو جمع دیکھنے والا بینک (Data Bank) ہے، جو ہر مختلف جسم کے سالموں کے مختلف انداز میں ترتیب دینے سے بنتا ہے۔ یہ بینک اس زندہ جسم کی ساری خصوصیات اپنے اندر محفوظ رکھتا ہے۔ اگر ایک انسان کے ڈی این اے کے اندر کی معلومات کو اس کے لیے سناٹا لکھ بیٹے کی نظر یا الو سولہ میں درکار ہوں گی۔ ایسی غیر معمولی معلومات جتنی طور پر اطلاعات کے خیال کی تردید کرتی ہیں۔

اس کا قطعی امکان نہیں ہے کہ لمبیات اور نیوکلئی ترشے، جو دلوں ساخت کے کھلا سے پیچیدہ ہیں، ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام پر خود بخود ظہور پنے ہو جائیں۔ مگر اس کا بھی کوئی امکان نہیں کہ کسی ایک کو دوسرے کے بغیر حاصل کیا جائے۔ اور اس لیے آدمی کو اس تپے پہ پہنچ جانا چاہیے کہ حقیقتاً زندگی کبھی بھی کیسائی طور پر ظہور پنے نہیں ہو سکتی۔ ۲۹

بے شک یہ ناممکن ہے کہ حیات فطری وجود کی بنا پر وجود میں آئی ہو، لہذا اسے تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ زندگی ایک فوق الفطرت طریقے سے ”تحقیق“ کی گئی ہے۔ یہ حقیقت قطعی طور پر نظریہ ارتقا کو منسوخ کر دیتا ہے، جس کا اہم مقصد تخلیق (خدا کے وجود) کی ٹلی یا تردید کرنا ہے۔

## ارتقاء کے خیالی طریق ہائے کار

دوسرا اہم نقطہ جو ڈارون کے نظریے کا ابطال کرتا ہے، وہ اس نظریے میں سامنے لائے گئے دو ”ارتقائی طریق ہائے کار“ (Evolution Mechanism) کے بارے میں ہے کہ یہ حقیقتاً کوئی ارتقائی طاقت ہی نہیں رکھتے۔

ڈارون نے اپنے ارتقائی دعوے کی ساری بنیاد ”فطری انتخاب“ (Natural Selection) پر رکھی تھی۔ اس طریقہ کار کی اہمیت اس کی کتاب ”انواع کی ابتدا، فطری انتخاب کے ذریعہ“ (The Origin of Species, By Means of Natural Selection) کے نام سے ظاہر تھی۔ فطری انتخاب میں زور اس بات پر ہوتا کہ وہ زندہ اشیاء جو زیادہ طاقتور ہوں گی اور اپنے ماحول سے زیادہ مطابقت رکھیں گی، زندگی کی بقا کی جدوجہد میں کامیاب رہیں گے۔ مثال کے طور پر ہرنوں کے گلے میں جو ہرن تیزی سے دوڑ سکتے ہیں، جنگلی جانوروں کے ہٹلے میں زندہ رہیں گے۔ اس لیے ہرنوں کا گلدستہ اور طاقتور ہوگا۔ مگر اس سوال کا جواب دستیاب نہیں کہ یہ کیا نازم ہرن کے ارتقا اور خود کو ایک دوسری نوع میں ڈھالنے کا موجب نہیں بننا، مثلاً ہرن کا گھوڑا بن جانا۔

اس لیے فطری انتخاب کا طریقہ کار کوئی ارتقائی طاقت نہیں رکھتا۔ ڈارون اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا اور اسے اپنی کتاب میں بیان کرتا پڑا:

فطری انتخاب کچھ نہیں کر سکتا، جب تک کہ موافق تبدیلیوں کا موقع نہیں مل جاتا۔ ۳۰

## لے مارک (Lamarck) کا اثر

پس یہ "موافق تبدیلیاں" (Favourable Variations) کیسے وقوع پذیر ہو سکیں گی؟  
 ڈارون نے اس سوال کا جواب اس کے اپنے دور کی ٹاپلینٹ سائنس کی سمجھ کے مطابق دینے کی کوشش  
 کی۔ فرانسیسی حیاتیات دان لے مارک جو ڈارون کے دور سے پہلے گزر راقہاء کے مطابق زندہ مخلوقات اپنی  
 زندگی میں حاصل کردہ اوصاف اپنی آنے والی نسل کو منتقل کر دیتی ہیں اور یہ اوصاف یا خصوصیات نسل در نسل  
 جمع ہو کر نئی نوع کے بننے کا سبب بن جاتی ہیں۔ مثلاً لے مارک کے مطابق زرافے ہرلوں  
 (Antelopes) کی ایک قسم سے ارتقا پذیر ہوئے۔ دراصل ہرن اونچے درختوں سے پتے کھانے کی  
 کوشش کرتے رہے اور اسی کوشش میں ان کی گردنیں نسل در نسل لمبی ہوتی گئیں۔

ڈارون نے بھی اسی طرح کی مثالیں دیں۔ مثال کے طور پر اپنی کتاب میں اس نے لکھا کہ کچھ  
 رینگھوں کا غذا کی تلاش میں پانی کے اندر جانا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی جنت و تیل پھلیوں میں  
 بدلنے کا سبب بنا۔

لیکن مینڈل (Mendel) کے دریافت کردہ قوانین وراثت (Laws of Inheritance) نے سختی سے اس افسانے کی تردید کی کہ ایک نسل کے اوصاف آنے والی نسلوں میں منتقل  
 ہوئے۔ اس کی توثیق سو سو صدی میں فروغ پانے والی سائنس اور جینیات نے بھی کی۔ اس طرح فطری  
 انتخاب ایک ارتقا فی میکا نزم کے طور پر حمایت و تائید سے محروم ہو گیا۔

## نیو ڈارونزم اور جینیاتی تغیر

### (Neo-Darwinism and Mutations)

اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے ارتقا پرست ۱۹۳۰ء کی دہائی کے آخر میں، ایک نیا نظریہ  
 "ماڈرن سینتھٹک تھیوری" (Modern Synthetic Theory) "سامنے لائے۔ اس نظریے کو عام  
 طور پر نیو ڈارونزم بھی کہتے ہیں۔ نوڈارونیت میں "جینیاتی تغیر" (Mutation) کا اضافہ کیا، جس کے  
 مطابق زندہ اجسام کے جینز (Genes) پر وراثی اثرات کی وجہ سے ہکا بکا ڈھنگ سے ہوتا ہے۔ مثلاً بیرونی  
 اثرات اشعاعی (Radiation) یا جینیاتی نقل میں غلطیوں کی وجہ سے اس جینیاتی تغیر کی مدد فطری تبدیلیوں کے  
 علاوہ "موافق تبدیلیوں کے اسباب" بھی ہیں۔

آج دنیا کے سامنے ارتقا کا جو تصور موجود ہے، وہ نوڈارونزم ہے۔ اس نظریے کے مطابق زمین  
 پر موجود لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں زندہ مخلوق ایک نسل کا نتیجہ ہے جبکہ ان اجسام کے بے شمار چھپے و اعلیٰ  
 (مثلاً کان، آنکھیں، ہوجھوڑے اور ہتھیرے کے عمل سے گزرے جو جینیاتی خرابیاں ہیں۔ مگر یہاں پر ایک واضح  
 سائنسی حقیقت اس نظریے کو مکمل طور پر لٹا کر دیتی ہے کہ یہ تغیر زندہ اجسام کی ترقی نہیں بلکہ اس کے برعکس  
 ہمیشہ ان کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اس کی وجہ بہت سادہ ہے، اسی این اے کی ساخت بہت ہی پیچیدہ ہوتی ہے اور صرف بے ترتیب  
 اثرات ہی اس کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ امریکی ماہر جینیات بی جی رانگاناتھن (B. G. Ranganathanian)  
 اسے یوں بیان کرتا ہے۔

تغیر چھوٹے، بے ترتیب اور نقصان دہ ہوتے ہیں۔ یہ بہت کم واقع ہوتے ہیں اور  
 اس بات کا بہت زیادہ امکان ہوتا ہے کہ یہ اثر ہوں۔ تغیر کی یہ پامرد سائنس و آلات



کرتی ہیں کہ تھیر کسی ارتقائی ترقی کی جانب رہنمائی نہیں کرتا۔ ایک اعلیٰ ترقی یافتہ حیوانی جسم میں ایک بے ترتیب تبدیلی یا تو بے اثر ہوتی ہے، یا نقصان دہ۔ ایک گھڑی کی ساعت میں بے ترتیب تبدیلی اسے بچھڑکس دلا سکتی۔ لیکن وہ ارتقائی طور پر بے ترتیب تبدیلیوں میں سے ایک نہیں ہے بلکہ ثابت ہو سکتی ہے یا زیادہ تر غیر معمولی۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ پر مبنی ارتقا، ایک تھائی ہی لگتا ہے۔ ۳۲

یہ کوئی نیا ان کہن بات نہیں کہ نیا حال اخیر کی کوئی ایسی کارآمد مثال۔ شاید بے میں نہیں آتی کہ اس سے جینیاتی کوڈ کی ترقی ثابت ہوتی ہے۔ تھیر کی باری مثالیں اسے نقصان دہ ثابت کر چکی ہیں۔ امید ہے کچھ لیا گیا کہ تھیر جسے ایک "ارتقائی میکا نزم" کے طور پر پیش کیا گیا تھا، واقعی ایک جینیاتی عمل ہے، جو خود وہی ہے جو نقصان دیتا ہے، اور انھیں معذور کر کے چھوڑ دیتا ہے (انسانوں پر تھیر کا سب سے عام اثر سرخان کا ہونا ہے)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک تباہ کن طرز عمل ہو سکتی "ارتقائی میکا نزم" نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ فطری انتخاب "اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا"، جیسا کہ آرون نے بھی اقرار کیا تھا۔ یہ حقیقت جیسے دکھاتی ہے کہ فطرت میں نہیں پر بھی "ارتقائی میکا نزم" نہیں پایا جاتا۔ یہ تھیر کسی ارتقائی میکا نزم کا وجود نہیں، اس لیے کوئی فرضی یا خیالی عمل، جسے ارتقا کہتے ہیں، ناممکن ہے کہ وقوع پذیر ہو ہوگا۔

## رکازی ریکارڈ (Fossil Record)

### ورمیانہ حالت کی نشانی کی عدم موجودگی

نظریہ ارتقائی جانب سے پیش کردہ ڈرامے کا کوئی واضح ثبوت رکازی ریکارڈ میں نہیں ملتا۔ نظریہ ارتقا کے مطابق، ہر زندہ نوع (Species) ایک پیشرو (Predecessor) سے وجود میں آئی ہے۔ عہد گزشتہ میں موجود ایک نوع وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کسی اور نسبت میں تبدیل ہو گئی، اور ساری انواع انہی طریقے سے وجود میں آئیں۔ نظریہ کے مطابق، وقت کی یہ تبدیلی لاکھوں سال سے رفتہ رفتہ جاری رہتی ہے۔ اگر وہ ارتقا ایسا ہوتا تو ارتقا دورمیانہ حالت پر قائم انواع پائی جانی چاہیے جسے جوہریت کی تبدیلی کے اس طویل دور سے گزر رہی ہوگی۔

مثال کے طور پر ماضی کے کسی دور میں ایسا جانور ہونا چاہیے تھا جو آدھی چھلی اور آدھا رینگنے والا ہوگا، اور اس میں پہلے سے موجود چھلی والے اوصاف کے ساتھ ساتھ رینگنے والے جانور کے اوصاف بھی ہوتے یا کچھ ایسے رینگنے والے پرندے ہوتے، جنھوں نے پہلے سے پائے جانے والے اوصاف کے ساتھ ساتھ کچھ پرندوں کے اوصاف اپنا لیے ہوں۔ چونکہ یہ ایک دورمیانہ حالت میں رہے ہوں گے، اس لیے یہ معذور، ناقص اور لنگڑے ہوئے زندہ اجسام ہوں گے۔ ارتقا پرست ان خیالی یا تصوراتی مخلوقات کو جو ان کے خیال میں ماضی میں رہی ہوگی، "معموری صورت (Transitional Form)" کہتے ہیں۔

اگر ایسے جانور واقعی رہے ہوں، تو ان کی تعداد اور اقسام لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ہونی چاہیے تھی۔ مزید برآں ان کے رکازی ریکارڈ موجود ہونے چاہیے تھے۔ ڈارون اپنی کتاب "وی اورجین آف" لکھیں "میں بیان کرتا ہے

اور میرا نظریہ یہاں ہوتا ہے کہ ارتقا درمیانہ حالتی انواع (Intermediate Varieties)

کی اقسام کہ جو ساری انواع کا آپس میں قریب ترین تعلق جوڑتی ہوں۔ لازماً پائی

جانی جائیں اور ان کے رکازات ملنے چاہئیں۔ ۳۳

## ڈارون کی امیدوں پر پانی کا پھرنا

اگرچہ سترہویں صدی کے وسط سے ارتقاء پرست دنیا بھر میں رکازاتی و نگارہ اصطلاحات کی ان تھک محنت کر رہے ہیں، لیکن تاحالی عبوری صورتیں دریافت نہیں ہوئیں۔ مختلف کھدائیوں کے دوران برآمد ہونے والے ساری رکازات ارتقاء پرستوں کی امیدوں کے برعکس ثابت کر چکے ہیں کہ زمین پر زندگی اچانک اور کامل شکل میں ظہور پذیر ہوئی۔

ایک مشہور برطانوی ماہر رکازات (Paleontologist) ڈریک وی ایگر (Derek V. Ager) خود ایک ارتقاء پرست ہونے کے باوجود اس حقیقت کو یوں تسلیم کرتا ہے

اگر ہم رکازوں کا مطالعہ کریں، تو وہ دو سلسلہ (Order) کی سطح پر ہوا یا انواع کی سطح پر..... تو ہم بار بار دیکھتے ہیں..... کہ ارتقاء رفتہ رفتہ نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی قیمت پر غیر معمولی انداز میں اچانک نمودار ہوتا ہے۔ ۳۳

اس کے معنی یہ ہیں کہ رکازات میں پانی جانے والی معلومات کے مطابق ساری زمرہ انواع مکمل صورت اور حالت میں، بغیر کسی درمیانی حالت کے اچانک ظاہر ہوئیں۔ یہ ڈارون کے مفروضے کے عین مخالف ہے۔ یہ بڑا عقیدہ ثبوت بھی ہے کہ نہ تو تخلیق کی گئی ہے۔ ایک زمرہ انواع کے اچانک نمودار ہونے، نہ لحاظ سے مکمل ہونے اور کسی ارتقاء کی باپ دادا کے بغیر ہونے کا، سب سے بڑا ثبوت صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نوع تخلیق کی گئی تھی۔ اس حقیقت کو شہرہ آفاق ارتقاء پرست ماہر میثیات، اگلس فونوینا (Douglas Futuyma) نے بھی تسلیم کیا ہے:

تخلیق اور ارتقاء، ان کے درمیان، زمرہ اشیاء کی ابتدا کے تخلیق ممکن تحریرات کو بے کار بنا دیتا ہے۔ اس جسم زمین پر یا تو مکمل حالت میں ظاہر ہوئے یا بالکل نہیں۔ اگر نہیں تو جب یہ اپنے سے پہلے کی انواع سے کسی قسم کے ترمیمی عمل کی وجہ سے ترقی پذیر ہوئے ہوں گے، اگر یہ عمل ترقی یافتہ حالت میں ظاہر ہوئے ہوں، تب بے شک انھیں ضرور کسی مطلق قبضہ درجہ کے والی ذات نے تخلیق کیا ہوگا۔ ۳۴

رکازات اس بات کا ثبوت ہیں کہ زمرہ اجسام مکمل ترین حالت اور صورت میں زمین پر ظاہر ہوئے۔ اس کے معنی یہ ہونے کہ ”انواع کی ابتدا“ ڈارون کے قیاس کے برعکس ارتقاء سے نہیں بلکہ تخلیق سے ہوئی۔

## انسانی ارتقاء کا افسانہ

ایک موضوع جو نظر پر ارتقاء کے حامی اکثر سامنے لاتے ہیں، وہ موضوع انسان کی ابتدا کا ہے۔ ارتقاء پرستوں کا دعویٰ ہے کہ جدید انسان نے کسی بندر نما مخلوق سے ارتقاء کر کے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ اس سیریز ارتقائی عمل کے لئے خیال کیا جاتا ہے کہ یہ کوئی چار پانچ ملین سال پہلے شروع ہوا تھا، دعویٰ کیا جاتا ہے کہ موجودہ جدید انسان اور اس کے آباء اجداد کے مابین کوئی ”درمیان مدتی صورت“ زمین پر رہی تھی۔ اس مکمل تصوراتی ناکہ کے مطابق چار بنیادی ”مراحل“ مندرجہ ذیل کیے گئے ہیں:

(۱) ————— (Australopithecus) —————

(۲) ————— (Homo habilis) —————

(۳) ————— (Homo erectus) —————

(۴) ————— (Homo sapiens) —————

ارتقا پرست انسان کے نام تھادارتدائی آباو اجداد کو "ناپید افریقی بندر" کا نام دیتے ہیں۔ یہ نرندہ اجسام حقیقتاً ایک بندر نما مخلوق تھی، جو ناپید ہو گئی ہے۔ برطانیہ اور امریکا سے تعلق رکھنے والے دو نامور ماہرین علم الاعضاء اور سوئیڈن کرمان (Lord Solly) (Prof. Charles Oxnard) اور پروفیسر چارلس اوکسارڈ (Prof. Charles Oxnard) کی افریقی بندروں کے رکازات پر کی گئی تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ بندر ایک عام بندر نما نوع سے تعلق رکھتے تھے، جو ناپید ہو گئی، اور ان کی انسانوں کے ساتھ کوئی مماثلت نہیں ہے۔ ۳۶

ارتقا پرست انسان کے ارتقا کے اگلے سلسلے کو آدمی (Homo) کا نام دیتے ہیں، ارتقا پرستوں کے دعوے کے مطابق ہومو سلسلے میں پائے جانے والے انسان افریقی بندر نما انسان سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ ارتقا پرست ان مخلوقات کے مختلف رکازات کو خاص اعداد میں رکھ کر ایک قیاسی ارتقائی خاکہ بناتے ہیں۔ یہ خاکہ مکمل تصوراتی ہے، کیونکہ یہ کبھی بھی ثابت نہیں ہوا کہ ان مختلف مرحلوں میں کسی قسم کا ارتقائی تعلق ہے۔ ارنسٹ مہر (Ernst Mayr) جو سو سوں صدی عیسوی میں نظریہ ارتقا کا دفاع کرنے والوں میں سے ایک ہے، اس حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے یوں بول اٹھا: جدید انسان تک پہنچتے پہنچتے زنجیر کی کڑیاں مناسب ہو گئیں۔ ۳۷

ارتقا پرست تعلق زنجیر کی کڑیاں ناپید افریقی بندر سے لے کر شروع کے آدمی تک۔ پھر کھڑے ہونے والے آدمی تک اور پھر جدید انسان تک جوڑتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا جد امجد ہے۔ مگر علم رکاز کے ماہرین کی غالبہ دہ باتوں نے ثابت کیا ہے کہ متعدد افریقی بندر، بشر قدیم اور کھڑے ہونے والا انسان یہ ایک وقت دنیا میں مختلف علاقوں میں آباد ہے تھے۔ ۳۸

مزید برآں کھڑے ہونے والے انسان کا ایک خاص گروہ جدید دنیا تک میں موجود تھا۔ جدید انسان کی ایلی نوع (Homo sapiens neandarthalensis) جدید انسان دونوں (Homo sapiens sapiens) ایک ہی وقت میں دنیا میں موجود ہے۔ ۳۹

یہ صورت حال اس دعوے کو مسترد کرتی ہے کہ یہ ایک دوسرے کے آباو اجداد تھے۔ ہارونا یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ایک ماہر رکازات اسٹینن بے کوئلہ، ایک ارتقا پرست ہونے کے باوجود اس نظریے میں اس نتیجے کے بارے میں کہتا ہے:

ہماری سیرگی کا گمان، شبہ کہ ایک ہی دور میں رہنے والے تین (مممالیہ رکازی انسان Africanus، جو متعدد معدوم افریقی بندر Robust اور Australopithecines، اور شروع کا انسان Homo habilis) کوئی بھی دوسرے سے جدا نہیں ہوا؟ مزید برآں ان میں سے کسی نے بھی زمین پر اپنی مدت کے دوران کوئی ارتقائی رجحان نہیں دکھایا۔ ۴۰

مختصر انسان کے ارتقا کا یہ افسانہ جو صاف الفاظ میں پراپیگنڈے کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے میڈیا اور گورنوں کی کتابوں میں شامل کر دیا، کچھ باتوں کی بنی ہوئی "نیم بندر، نیم انسان" جیسی مخلوقات کی تصاویر کی مدد سے ایجاد کیا ہے، کچھ نہیں بلکہ سائنسی بنیاد سے محروم ایک کہانی ہے۔

اس موضوع پر عرصے تک تحقیقات کرنے والے، خصوصاً معدوم افریقی بندر (Australopithecus) کے رکازی یادگاروں پر چدرہ سال تک تحقیق کرنے والے برطانیہ کے بہت مشہور اور قابل احترام سائنس دانوں میں سے ایک لارڈ سولیڈ کرمان (Lord Solly Zuckerman) نے بجائے خود ایک ارتقا پرست ہونے کے، آخر میں اعتراف کیا کہ حقیقت میں ایسا کوئی بھی خاندانی شجرہ

پایائیں جاتا جو انسانوں کو بندر نما مخلوقات سے ملاتا ہو۔

فرکرمان نے ایک "سائنس کا تصوراتی خاکہ" (Spectrum of Science) بھی بنایا۔ اس خاکے میں اس نے اپنے خیال کے مطابق علوم کے سائنسی اور غیر سائنسی بین کو ظاہر کیا۔ فرکرمان کی اس تصور کے مطابق سب سے زیادہ "سائنسی" علوم وہ ہیں، جن کی بنیاد جوں تسلیم شدہ مواد پر ہو، جیسا کہ طبیعیات اور کیمیا۔ ان کے بعد میاتاتی سائنس کے علوم، اور بعد میں معاشرتی علوم آتے ہیں۔ اس تصور کے آخر میں سب سے زیادہ غیر سائنسی علوم آتے ہیں جن میں نیلی جتنی، چھٹی حس وغیرہ شامل ہیں۔ ان علوم کے آخر میں "انسانی ارتقاء" کا اندہ (درجہ) کیا ہے۔ فرکرمان اپنے دلائل ایسے بیان کرتا ہے:

پھر ہم ظاہری سچائی کی فہرست سے فرضی حیاتیاتی سائنس کے میدانوں کی ہاں پ

تے دیتے ہیں، جیسا کہ ماورائے حس اور ایک (Extrasensory Perception)

یا انسانی رکازوں کی چارچ، کہ جہاں یقین، سمجھنے والے (ادراک پرست) کے لیے ہر

چیز کا ہونا ممکن ہے، اور جہاں ایک پر جوش (ارتقاء کو) لانے والا بعض اوقات مختلف

مکتفاد بن جاتا، ایک ہی وقت میں مان سکتا ہے۔

انسانی ارتقاء کے افسانے کا کوئی نتیجہ براہ مد نہیں ہوتا، سوائے کچھ لوگوں کے زمین سے کالے ہوئے

چندرکاروں کی ہاں، محض بات تو شجاعت کے کہ جو اس نظریے سے انصوں کی طرح چپکے ہوئے ہیں۔



انسان میں ایسے رکازوں کی کوئی بات پائی نہیں جاتی۔ جو انسانی ارتقاء کی کہانی کو سارا دے سکتی ہے۔ اس کے برعکس رکازوں کی بات کرتی ہیں کہ انسانوں اور بندر نما مخلوقوں کے درمیان ناقابل مہر حد جائل ہے۔ اس سچائی کی روشنی میں ارتقاء پرستوں نے اپنی امیدیں کچھ خیالی تصویروں اور نمونوں سے بڑھ کر لی ہیں۔ دو بڑے سوہنے کیے معمولی پرانے (Masks) کے کتبہ رکازوں کے درجہ (درجہ) کو آگے لے کر آگے انسان آگے بندر نما مخلوق کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

## آنکھ اور کان کی ساخت کا کمال

فطرت نے انسان کے آنکھ اور کان کی ساخت کو اس قدر آسان بنا دیا کہ ہر انسان ان سے اپنے لیے کچھ نہ کچھ حاصل کر سکتا ہے۔  
آنکھ کے مضمون کی طرف بڑھتے سے پہلے آئیے ہم جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہیں کب سے دیکھنے کی روشنی سے آگے والی روشنی کی شعاعیں پر دو چشم (Retina) پر آتی پڑتی ہیں۔ یہاں روشنی کی یہ شعاعیں مٹلیوں کے ذریعے برقی اشاروں میں تبدیل ہو کر پہنچی جاتی ہیں، اور یہ دماغ کے عقب میں واقع ایک چھوٹے سے نقطے پر پہنچی جاتی ہیں، جسے مرکز بصارت کہتے ہیں۔ یہ برقی اشارے مختلف عملوں سے گزار کر اس مرکز میں ایک فلم کی صورت میں موصول ہوتے ہیں۔ اس فلم کی پس منظر کو ہم نظر رکھتے ہوئے آئیے اب کچھ خود کرتے ہیں۔

دماغ مکمل طور پر روشنی سے جدا اور الگ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دماغ کے اندرونی حصے میں مکمل تاریکی ہے۔ روشنی اس جگہ پہنچا نہیں جاتی، جہاں دماغ واقع ہوتا ہے۔ وہ جگہ جسے مرکز بصارت کہتے ہیں، ایک مکمل طور پر تاریک جگہ ہوتی ہے، جہاں کسی جسم کی روشنی نہیں پہنچتی حتیٰ کہ یہ ان جگہوں سے بھی تاریک ہوتی ہے، جن کا آپ نے بھی مشاہدہ کیا ہے۔ مگر اس مکمل تاریکی میں آپ ایک حقیقی روشنی دیا کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

آنکھ کے اندر بیٹے والاغس اس قدر واضح اور روشن ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی پہلی اونی بھی ایسا عکس نہیں بنا سکی۔ مثال کے طور پر اپنے ہاتھ میں موجود اس کتاب پر نظر ڈالیں، اور پھر اس کا عکس اپنے ارد گرد نظر دلانیں۔ کیا آپ نے اس جیسا واضح اور نمایاں عکس نہیں دیکھا ہے؟ حتیٰ کہ لباس جہیز قرین بھی واضح طور پر نظر دلائے والے بھی ایسی روشنی تصور کر سکتے ہیں۔ یہ ایک سرچشمی، دیکھیں اور روشن ترین عکس ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں انجینئر کوئی سو سال سے زیادہ کی مدت سے ایسا روشن عکس حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ہمارے ہر گھنٹے پر کارخانے لگائے گئے، کافی تحقیق کی گئی، مٹا کے اور منصوبے بنائے گئے، مگر ناکامی ہوئی۔ ایک بار پھر ایک ٹیلی ویژن کے پردے اور اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کتاب پر نظر دوڑائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہاں پر ایک بڑا فرق اور امتیاز ہے۔ مزید برآں ٹیلی ویژن پر آپ کو ایک واضح عکس دیکھا جائے گا۔ جبکہ اپنی آنکھوں کی مدد سے آپ ایک سرچشمی منظر کا گہرائی تک دکھا کر رہے ہیں۔

کافی برسوں تک ہزاروں انجینئروں نے کوشش کی کہ ایک سرچشمی ٹیلی ویژن بنا دیں، اور آنکھ کی استعداد کا رنگ پہنچا سکیں۔ ہاں انھوں نے ایک سرچشمی ٹیلی ویژن کا کام تو بنالیا، مگر خاص تکنیکوں کے استعمال کے بغیر اس کا دیکھنا ناممکن ہے۔ مزید برآں یہ صرف ایک مصنوعی سرچشمی سے اس کا پس منظر وضاحت ہے، اور عکس مگر ایک آواز کی جیسا ہے۔ آج تک ممکن نہیں ہوا کہ آنکھ جیسی ایک روشن اور متنازع بصارت دکھائی جاسکے۔ کمرے اور ٹیلی ویژن، دونوں میں عکس کی خصوصیات کی کمی پائی جاتی ہے۔

ارتقا پرست دعویٰ کرتے ہیں، کہ وہ مکمل ہوا ایسا واضح اور متنازع عکس بنا رہے ہیں، جو انسانی عکس سے وجود میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی آپ سے کہے کہ آپ کے کمرے میں موجود ٹیلی ویژن انسانی عکس سے بن گیا، اور یہ کہ اس کے مدارے انسانی عکس سے ایک جگہ ملے ہوئے اور یہ مشین بنا گئے جو کہ تصویریں دکھاتی ہے تو آپ کیا سوچیں گے؟ ایسا کب سے وہ سب کچھ کر لیتے ہیں، جو ہزاروں افراد نہیں کر سکتے؟

ایک آنکھ کی نسبت زیادہ دو قیاسی عکس بنانے والی ایک مشین اگر اتفاق سے بن نہیں سکتی، تو یہ واضح ہے کہ ایک آنکھ اور اس آنکھ سے نظر آنے والا عکس بھی اتفاق سے نہیں بنا ہوگا۔ ایسی ہی صورت حال کان پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ یہ وہی کان دستیاب آواز میں لالہ گوش (Artificial) کی مدد سے بن کر رہا ہے،



اور انہیں اندرونی کان کی جانب روانہ کر دیتا ہے۔ کان کا اندرونی حصہ ان ارتعاشوں کو برقی اشاروں میں تبدیل کر کے دماغ میں بھیج دیتا ہے۔ بالکل آنکھ جیسا عمل یہاں بھی ہوتا ہے۔ سماعت کا عمل دماغ کے مرکز سماعت میں مکمل ہو جاتا ہے۔

آنکھ جتنی صورت حال، کان کے معاملے میں بھی ایک جیسی ہوتی ہے۔ جیسا کہ دماغ روشنی سے پوری طرح الگ ہوتا ہے، وہی طرح یہ آواز سے بھی الگ ہوتا ہے۔ یہ کسی جسم کی آواز اپنے اندر آنے نہیں دیتا۔ اس لیے باہر جس قدر بھی شور ہو، دماغ کے اندر مکمل خاموشی پائی جاتی ہے۔ تاہم انتہائی نرم، نازک اور لطیف آوازیں بھی دماغ کے اندر محسوس ہو جاتی ہیں۔ آپ کے دماغ میں جو آوازیں سے مکمل طور پر غلط ہو جاتے ہیں، آپ سازندوں کے طائفہ کی فخر سرائی سن سکتے ہیں، اور ایک ہجوم جگ میں شور بھی سن سکتے ہیں۔ تاہم اگر کسی ایسے آواز سے، جو آوازوں کی پیدائش کر سکتا ہو، آپ کے دماغ کے اندر شور کی سطح ناپی جائے تو وہاں پر مکمل خاموشی ہی ملے گی۔

تصور کی طرح آواز کے ضمن میں بھی برسوں محنت کی گئی اصلی آوازیں کا مانند آوازیں دوبارہ بنائی جاسکیں۔ ان کاوشوں کا نتیجہ آواز محفوظ کرنے والی مشینوں (Sound Recorders)، ہائی فائی نظاموں، اور ان نظاموں کی صورت میں سامنے آیا، جو صوتی لہروں یا آوازوں کو محسوس کر سکتے ہوں۔ ٹیکنالوجی اور ہزاروں انجینئروں اور ماہرین کی شانہ روز محنت اور کوشش کے باوجود ایسی کوئی آواز دستیاب نہیں ہو سکی ہے، جو ایسی صاف اور واضح ہو جیسی کان محسوس کرتے ہیں۔ موسیقی کی صنعت میں سب سے بڑی کمپنی کے بنائے ہوئے اصلی ترین ہائی فائی نظام کا تصور کریں حتیٰ کہ ان آلوں میں بھی اگر آواز محفوظ کی جائے تو اس کا کچھ حصہ غائب ہو جاتا ہے یا کبھی آپ ایک ہائی فائی نظام کو بنانا شروع کریں تو آپ ہمیشہ موسیقی شروع ہونے سے قبل ایک سی سی کی آواز سنیں گے۔ لیکن وہ آوازیں جو انسانی جسم کی پیداوار ہوتی ہیں، اصلی درجے کی اور صاف اور واضح ہوتی ہیں۔ ایک انسانی کان کبھی بھی سی سی کی آواز یا فضائی شہر کو گڑ گڑ نہیں کرتا، جیسا کہ ایک ہائی فائی نظام۔ انسانی آواز کو ویسے ہی سنتا ہے جیسا کہ وہ آواز ہوتی ہے، واضح اور صاف۔ اور ایسا آدمی کی تخلیق کے وقت سے ہوتا چلا آیا ہے۔

تو حال انسان کا بنا ہوا کوئی بصارتی یا سماعتی آواز اس قدر حساس اور کامیاب نہیں جتنا انسانی آنکھ اور کان حیاتی معلومات کا ادراک کرتے ہیں۔

بہر صورت، جہاں تک دیکھنے اور سننے کا تعلق ہے اس میں ایک بہت بڑی حقیقت موجود ہے۔

## دماغ کے اندر دیکھنے اور سننے والے شعور کا تعلق کس سے ہے؟

وہ کون ہے جو اپنے دماغ میں ایک دل سود لینے والی دنیا دیکھتا ہے، موسیقی اور پندوں کی چھپا ہوتی سنتا ہے، اور نگاہ کی خوشبو سونگھتا ہے؟

ایک انسان میں اس کی آنکھوں، کانوں اور ناک سے آنے والی تحریک (Stimulations) دماغ کی جانب برقی کیمیائی عصبی اشاروں کی صورت میں سفر کرتی ہیں۔ آپ حیاتیات، علم اعصاب اور حیاتی کیمیاء کی کتابوں میں بہت ساری تفصیلات دیکھ سکتے ہیں کہ کس طرح دماغ میں یہ ضلکے بنتے ہیں۔ مگر آپ اس مضمون کی سب سے اہم حقیقت کی تہ تک بھی نہ پہنچ پائیں گے کہ وہ کون ہے جو ان برقی کیمیائی عصبی اشاروں کو تصویروں، آوازوں، خوشبوؤں یا بدبوؤں یا حواس سے تعلق رکھنے والے واقعات کا دماغ کے اندر ادراک کرتا ہے؟ دماغ کے اندر ایک شعور موجود ہے، جو ان سب کا آنکھ، کان اور ناک کی ضرورت کو محسوس کیے بغیر ادراک کرتا ہے۔ اس شعور کا تعلق کس سے ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شعور کا تعلق عصبوں

جربہ کی تہوں (Fat layers) اور عصبانیوں (Neurons) کے ساتھ نہیں جن سے دماغ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مادہ پرست کہ جن کا یقین ہے کہ ہر چیز مادے سے بنی ہے، ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتے۔

اس شہور کی وجہ وہ روح ہے جو خدا نے پیدا کی ہے۔ یہ روح نہ تو آنکھوں کی محتاج ہے، جن کی مدد سے نظارے دیکھ سکتے، نہ کانوں کی تاک کہ آوازیں سن سکے۔ مزید برآں اسے ایک دماغ کی ضرورت ہے جس کی مدد سے سوچ سکے۔

ہر انسان جو اس ناقابل تردید اور سائنسی حقیقت کا مطالعہ کرتا ہے اسے عظیم و بزرگ خدا کے بارے میں سوچنا چاہیے، اسی سے فرما چاہیے اور اسی سے پناہ مانگنی چاہیے کہ جو ساری کائنات کو چند مربع سنتی میٹر کی ایک گہری تاریک جگہ میں ایک سرخیشی، رنگین، سیاہ اور روشن انداز میں سمودیتا ہے۔

## مادہ پرست عقیدہ

اب تک جو معلومات ہم نے فراہم کی ہیں، وہ ہمیں دکھاتی ہیں کہ نظریہ ارتقاء ایک ایسا دعویٰ ہے جو صاف طور پر سائنسی رویا فکروں سے متضاد ہے۔ ابتدائے حیات کے بارے میں اس نظریے کا دعویٰ سائنس کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اس کا تجویز کردہ ارتقاء کی میکا زیم کوئی ارتقائی قوت نہیں رکھتا۔ رکازات ثابت کرتے ہیں کہ اس نظریے کو درکار دینیاتی صورتوں کا کبھی بھی وجود نہیں رہا تھا۔ اس لیے اس کے بعد یقینی ہو جاتا ہے، کہ نظریہ ارتقاء کو ایک غیر سائنسی خیال سمجھ کر رومی کی نوکری میں پھینک دیا جائے، بالکل اسی طرح سے جیسے زمین کو کائنات کا مرکز قرار دینے والے نظریے کو سائنسی ایجنڈے سے نکال باہر کیا گیا۔ مگر نظریہ ارتقاء کو جبراً سائنس کے ایجنڈے میں رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ کچھ لوگ نظریہ ارتقاء پر ہونے والی تنقید کو "سائنس پر حملہ" تصور کرتے ہیں۔ کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ محققین کے لیے نظریہ ارتقاء ایک ناگزیر پختہ اور اٹل عقیدہ ہے۔ یہ حلقہ مادہ پرست فلسفے کے اندر حاوی و مضبوط عقیدے ہوتے ہیں، اور وہ مادہ پرست کو اس لیے اپناتے ہیں کہ صرف نظریہ ارتقاء ہی ایک مادی توضیح ہے جسے فطرت کے زیر اثر ہونے والے افعال کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ ایسے لوگ اس حقیقت کا خود بھی وہاں فخر قرار کرتے رہتے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی سے تعلق رکھنے والے ایک مشہور ماہر جینیات (Geneticist) اور بے لاگ اور صاف گو ارتقاء پرست، رچرڈ وی۔ لیونٹن (Richard C. Lewontin) اقرار کرتا ہے کہ وہ "سب سے پہلے اور قائلیت درجے میں ایک مادہ پرست، اور اس کے بعد ایک سائنس دان ہے۔" وہ کہتا ہے:

اپنا نہیں ہو سکتا کہ سائنس کے طریقے ہائے کار اور مضامین ہمیں کسی طرح مجبور کریں کہ ہم غیر معمولی اور عجیب دنیا کی مادی توضیح اور تفسیر قبول کر لیں، لیکن اس کے برعکس مادی اسباب کے ساتھ وفاداری ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ تحقیقات کے لیے ایک ضابطہ اور طریقہ سات کا ایک لاکھ عمل تخلیق کیا جائے جو مادی توضیحات کی استخراج کرے، خواہ وہ توضیحات کتنی ہی غیر وجدانی کیوں نہ ہوں۔ مزید برآں مادہ پرست مطلق اور کامل ہے، وہ ہم کسی الہامی تصور کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ تمام

اس جیسے صریح بیانات واضح کرتے ہیں کہ مادہ پرست ایک عقیدہ ہے، جسے صرف مادیانہ فلسفے کے ساتھ چپکے دہنے کے واسطے زندہ رکھا گیا ہے۔ یہ عقیدہ دعویٰ کرتا ہے کہ مالا کے علاوہ کبھی اور حقیقی کا وجود نہیں۔ اس لیے یہ مصرعے کہ بے جان اور بے شعور مادے نے حیات تخلیق کی ہے۔ یہ یہ ضد ہے کہ آنکھوں

کرہڑوں کی تعداد میں زندہ انواع مثلاً پرندے، مچھلیاں، زراعتی، چیتے، گیزے، مکڑے، اٹھارہ پھول، وائیل گیٹیاں اور انسان۔ ہمارے مثلاً برقی پارک، کرنکلی، بجلیوں وغیرہ کے یا بھی تعاملات کے (جیسے غیر جاندار مادیات سے وجود میں آئے۔ یہ بات ضابطہ استدلال اور مابین دونوں سے تضاد ہے۔ اس کے باوجود ارویت پر مستحکم کا دفاع جاری رکھے ہوئے ہیں کہ ”موجود کسی الہامی تصور کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے گے۔“

کوئی بھی آدمی جو زندہ حیات کی ابتداء اور انسانی تصور سے نہ واقف ہو، اس حقیقی حیا کی کو دیکھ لے گا کہ ساری زندہ مخلوق ایک خالق کی کارگر ہے، جو کل قوت ہے، جسم ہے، اور کل کام کرتا ہے۔ یہ خالق خدا ہے، جس نے ساری کائنات عدم سے پیدا کی، اس کائنات کو اس کی مکمل ترین جزئیات کے ساتھ مکمل بنایا اور ساری زندہ مخلوق کی تربیت و صورت کلیتہً کی۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ O

”انھوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا

ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔“

(سورۃ البقرہ ص ۳۲)

# NOTES

1- <http://www.jpas.net/bygnce/index.htm> Taken from Hig Bang Refined by Fire by Dr. Hugh Ross, 1998, Rossini Tr Belieco, Pasadena, CA.

2- Carolyn Shoemaker, Robert Garwin, Samuel F. Howe, *General Science, Allyn and Bacon Inc, Boston, Massachusetts, 1985, p. 319-322*

3- <http://university.academy.edu/Borker/Airosphere/beginner/layure-01.html>

4- Carolyn Shoemaker, Robert Garwin, Samuel F. Howe, *General Science, Allyn and Bacon Inc, Boston, Massachusetts, 1985, p. 305*

5- <http://soufport.jpl.nasa.gov/science/spp/dfox/reports6.htm>

6- Carolyn Shoemaker, Robert Garwin, Samuel F. Howe, *General Science, Allyn and Bacon Inc, Boston, Massachusetts, 1985, p. 305*

7- National Geographic Society, *Powers of Nature*, Washington D.C., 1978, p.12-13

8- <http://www.2think.org/nothingness.html>, *Nothingness: The Science of Empty Space*, p. 202

9- Anlins, Richard A., John J. Cabot, Altair B. Fraser, and Hans A. Panofsky, 1981, *The Atmosphere*, 2 edition, Columbus, Charles E. Merrill Publishing Company, p. 268-269; Millers, Albert, and Jack C. Thompson, 1975, *Elements of Meteorology*, 2 edition, Columbus, Charles E. Merrill Publishing Company, p. 141

10- Anlins, Richard A., John J. Cabot, Altair B. Fraser, and Hans A. Panofsky, 1981, *The Atmosphere*, p. 269; Millers, Albert, and Jack C. Thompson, 1975, *Elements of Meteorology*, p. 141-142

11- Davis, Richard A., Jr, 1972, *Principles of Oceanography*, Dor Mills, Osmun, Addison-Wesley Publishing, p. 92-93

12- Elder, Duany, and John Permitt, 1991, *Ocean*, London, Mitchell Beazley Publishers

13- Orvis, M. Grant, 1992, *Oceanography: a View of Earth*, 6 edition, Englewood Cliffs, Prentice-Hall Inc., p. 305

14- Seeley, Rod B., Trent D. Stephens, and Philip Tate, 1996, *Essentials of Anatomy & Physiology*, 2 edition, St. Louis, Mosby-Year Book Inc., p. 211; Neher, Charles E.; N. L. Strominger, and R. J. Demarest, 1991, *The Human Nervous System: Introductory and Review*, 6 edition, Philadelphia, Lea & Febiger p.4 (4-41)

15- Seeley, Rod B., Trent D. Stephens, and Philip Tate, 1996, *Essentials of Anatomy & Physiology*, 2 edition, St. Louis, Mosby Year Book Inc., p. 211

16- Moore, Keith L., F. Marshall Johnson, E. V. N. Bertman, Gerald C. Goeringer, Abdul-Majed A. Zaidan, and Mustafa A. Ahmed, 1992, *Human Development as Described in the Qur'an and Sunnah: Mubakkah, Commission on Scientific Signs of the Qur'an and Sunnah*, p. 76

17- Moore, *Developing Human*, 6 edition, 1998

18- Williams P., *Basic Human Embryology*, 3 edition, 1984, p. 64

19- Rex D. Russell, *Design in Human Nature*, <http://www.irc.org/pubs/hng-259.html>

20- Warren Treadgold, *A History of the Byzantine State and Society*, Stanford University Press, 1997, p. 287-290

21- Warren Treadgold, *A History of the Byzantine State and Society*, Stanford University Press, 1997, p. 287-289

22- Waller Wesselski, *Ägyptische Inschriften aus dem K.K. Hof Museum in Wien*, 1896, I C. Hieratische Buchhandschrift

23- Hermann Roske, *Die Ägyptischen Personennamen, Verzeichnis der Namen*, Verlag Vohler T. Angewandte in Gifkstadt, Band I, 1935, Band II, 1952

24- Sidney Fox, *Klaus Durr, Molecular Evolution and the Origin of Life*, New York: Marcel Dekker, 1977, p.2

- 25- Alexander I. Oparin, *Origin of Life*, [1936] New York: Dover Publications, 1953 (Reprint), p. 196.
- 26- "New Evidence on Evolution of Early Atmosphere and Life", *Bulletin of the American Meteorological Society*, Vol 63, November 1982, p. 1328-1330
- 27- Stanley Miller, *Molecular Evolution of Life: Current Status of the Prebiotic Synthesis of Small Molecules*, 1980, p. 7
- 28- Jeffrey Hradin, *Earth*, February 1998, p. 40
- 29- Leslie E. Orgel, "The Origin of Life on Earth", *Scientific American*, Vol 271, October 1994, p. 78
- 30- Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 189
- 31- Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 184
- 32- B. G. Ranganathan, *Origins?*, Pottsylvania: The Hammer Of Truth, Inc., 1988
- 33- Charles Darwin, *The Origin of Species: A Facsimile of the First Edition*, Harvard University Press, 1964, p. 179
- 34- Derek A.iger, "The Nature of the Fossil Record", *Proceedings of the British Geological Association*, vol 87, 1976, p. 123
- 35- Douglas J. Futuyma, *Science on Trial*, New York: Pantheon Books, 1983, p. 197
- 36- Sally Zuckerman, *Beyond The Ivory Tower*, New York: Toplinger Publications, 1970, p. 75-94; Charles E. Oxnard, "The Place of Australopithecines in Human Evolution: Grounds for Doubt", *Nature*, C10 258, p. 389
- 37- J. Reijnders, "Darwin's Current Bulldog: Ernst Mayr", *Scientific American*, December 1992
- 38- Alan Walker, *Science*, vol 187, 1980, p. 1103; A. J. Kellie, *Physical Anthropology*, 1st ed., New York: J. B. Lippincott Co., 1970, p. 221; M. D. Leakey, *Olduvai Gorge*, vol. 1, Cambridge: Cambridge University Press, 1971, p. 272
- 39- *Time*, November 1996
- 40- S. J. Gould, *Natural History*, vol 85, 1976, p. 30
- 41- Sally Zuckerman, *Beyond The Ivory Tower*, New York: Toplinger Publications, 1970, p. 19
- 42- Richard Lewontin, "The Dethroned World", *The New York Review of Books*, 9 January, 1997, p. 28



## قرآن اور سائنس کے موضوع پر ہارون یحیٰ کی منفرد کتب

|                                 |                               |
|---------------------------------|-------------------------------|
| قرآن رہنمائے سائنس              | انکشافات قرآن                 |
| سلسلہ معجزات                    | سچائی کی جستجو                |
| جانداروں کا جذبہ قربانی         | خلیہ اک کائنات                |
| تخلیقی عجائب                    | اللہ کی نشانیاں               |
| چیونٹی ایک معجزہ                | تباہ شدہ اقوام                |
| عقل والوں کے لئے                | دنیا اور اس کی حقیقت          |
| نظریہ ارتقاء - ایک فریب         | لازوال خالق کے تخلیقی عجائبات |
| یہ رنگ بھری دنیا                | یہہ شکوں کائنات               |
| لافانی زندگی                    | کائنات کی تخلیق               |
| صلیبی جنگجو                     | معجزات قرآنی                  |
| توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے | روز حساب                      |
| خوف خدا                         | اسلام اور دہشت گردی           |
| آخرت کی نشانیاں                 | کائنات، نظریہ وقت اور تقدیر   |

